

تصوف کے عنوان پر ابتدائی مختصر مگر جامع کتاب

محمد علی شاہ

شیخ الحدیث  
غلام عبدالمصطفیٰ اعظمی



مکتبہ جہانگیر کرم نامور

مَلْعُونِينَ اِنَّهُمْ نَأْتِفُوْا الْخِذْفَ وَقَتْلُوْا تَقْتِيْلًا  
وہ پھنکارے ہوئے جہاں کہیں بھی ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں

قرآن و حدیث اجماع اُمت و مذاہب عالم کی روشنی میں

# توہین رسالت کی سزا

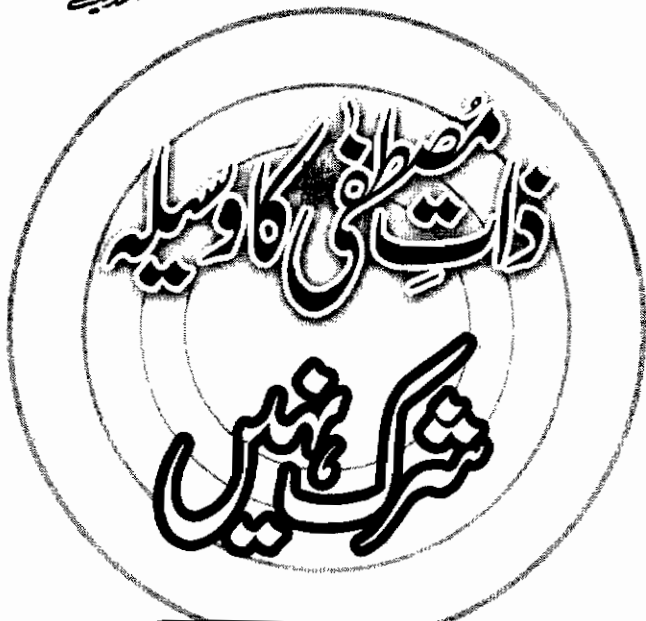
پروفیسر حبیب اللہ حسینی

مکتبہ جمال گرام

9. مرکز الاولیاء (سنت ہنر) دربار مارکیٹ - لامودفرن: 7324948



يَا حَبِيبِي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي  
المهدي



امام علامہ محمد زاہد الکوثری المصری

فضیلہ شیخ محمد بن علوی المالکی

حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری

9. مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور

Ph: 042-7324948

مکتبہ جمال کرم

## ﴿جملہ حقوق محفوظ ہین﴾

نام کتاب ..... ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کا وسیلہ شریک نہیں  
مصنف ..... ام علامہ محمد زاہد الکوثری المصری و مؤلفہ  
..... فضیلہ اشخ السید محمد بن علوی مالکی دکنیہ  
..... حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دہلوی رحمہ اللہ

تاریخ اشاعت ..... 2004ء

تعداد ..... گیارہ سو

زیر اہتمام ..... ایم احسان الحق صدیقی

ناشر ..... مکتبہ جمال کرم لاہور

قیمت ..... روپے

## ملنے کے پتے

- ❶ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اسٹیمپ بخش روڈ لاہور
- ❷ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 14 انفال پلازہ، اردو بازار کراچی
- ❸ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور
- ❹ احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمیٹی چوک، راولپنڈی
- ❺ مکتبہ المجاہد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار  
یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ  
وابتغوا الیہ الوسیلۃ  
کرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنی بارگاہ میں وسیلہ پکڑنے کا حکم  
دیا ہے خواہ وہ اعمال کی صورت میں ہو یا ذوات کی صورت میں۔ خود رسالت مآب ﷺ  
نے بھی امت کو اس کی تعلیم دی۔ اس حوالے سے حدیث ضریح (ناہینا صحابی والی روایت)  
معروف ہے جس میں آپ ﷺ نے انہیں اپنی ذات اقدس کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ  
بنانے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام امت انبیاء و صلحاء خصوصاً  
سید الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس کو وسیلہ بناتے چلے آ رہے ہیں۔

کچھ اہل بدعت نے اس دور میں یہ ظلم کیا کہ اس عمل کو شرک و بدعت کا درجہ دے  
دیا ہے مثلاً شیخ زینونجدی کی کتاب کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس میں وسیلہ ممنوع کے عنوان  
کے تحت لکھا ”اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے مقام یا جاہ کا وسیلہ ہرگز جائز نہیں ہے“ مثلاً  
یوں کہا جائے کہ اے اللہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے طفیل شفا عنایت فرما ایسا کہنا بدعت ہے  
کیونکہ صحابہ کرام نے ایسا نہیں کہا“ (اصلاح عقیدہ ص ۴۲ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

بلکہ اس مسئلہ کی وجہ سے ان لوگوں نے شارح بخاری امام حافظ ابن حجر عسقلانی  
اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے سینکڑوں ائمہ امت کو گمراہ قرار دیا ہے کس قدر دکھ کی

بات ہے امت کے تمام محدثین، مفسرین، صوفیاء اور اہل علم ذات نبوی ﷺ کو وسیلہ بناتے ہیں اور یہ چند اہل بدعت اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔

اس بدعتیہ کی اور جہالت کے ازالہ کے لیے متعدد اہل علم نے لکھا، عالم اسلام کے عظیم محدث، شیخ عبداللہ صدیق غماری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ضریر پر کھل کتاب لکھی جس کا ترجمہ ”کیا حضور ﷺ نے صحابہ کو وسیلہ کی تعلیم دی؟“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے اسی طرح موصوف کے عظیم شاگرد شیخ محمود سعید ممدوح نے احادیث وسیلہ کو جمع کیا اور ان پر اہل بدعت کی طرف سے وارد کردہ اعتراضات کے کامل جوابات دیئے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی ”احادیث تو سل پر اعتراضات کا علمی محاکمہ“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اسی موضوع پر عظیم محقق امام زہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ نے ”محقق القول فی مسئلۃ التوسل“ لکھا جس کا ترجمہ مجمع العلمی الاسلامی مبارکپور نے کروا کر شائع کیا اس کے ساتھ ساتھ حجاز مقدس کے عظیم عالم دین فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی دامت برکاتہم العالیہ (مالکی صاحب کے مقالے کا ترجمہ انڈیا کے مشہور عالم دین مولانا یسین اختر مصباحی صاحب نے کیا ہے) اور محسن اہلسنت حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ نے بھی مسئلہ توسل پر لکھا اللہ تعالیٰ ”مکتبہ جمال کرم“ کو دن و گنی رات چو گنی ترقی دے جنہوں نے اس اہم موضوع پر تین اہم مقالات کو یکجا کر کے شائع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ذات مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے اس خدمت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

خادم اسلام

مفتی محمد خان قادری

”مرکز تحقیقات اسلامیہ“

شادمان لاہور

# وسیلہ دلائل کی روشنی میں

علامہ امام محمد زاہد الکوثری المصری رحمۃ اللہ علیہ

## وسیلہ دلائل کی روشنی میں

علامہ محمد زاہد الکوثری ماضی قریب کی وہ عظیم شخصیت ہیں جو محض اخلاص کی بنیاد پر دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ سلف صالحین کی ایک ایسی یادگار تھے جنہوں نے علم دین کو کبھی ذریعہ معاش نہ بنایا، بلکہ یہی علم دین ان کا اصل مقصد حیات رہا اور اس سے اعلیٰ مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۲۹۶ھ میں ترکی کے مشہور شہر آستانہ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ترکی الاصل ہوتے ہوئے بھی آپ کی تمام تر علمی سرگرمیاں عربی زبان میں ظہور پذیر ہوئیں..... ۲۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اس کے بعد ہی تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور بہت جلد میدان تدریس کے ایک ممتاز شہسوار کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ ترکی حکومت کے امور دینیہ کے صدر مقرر ہوئے اور اس منصب کی عظیم ذمہ داریوں کو ایک مدت تک انجام دیا۔

پھر ترکی سے مصر کی طرف ہجرت کی، مصر سے شام اور پھر شام سے قاہرہ واپس آ گئے۔ اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ترکی شام اور مصر میں جہاں بھی آپ کا قیام رہا آپ طلبہ اور خلائق کے مرجع رہے۔ قاہرہ یونیورسٹی کے ”کلیہ الحقوق“ کی طرف سے استاذ کے منصب کے لیے آپ کو پیش کش ہوئی مگر آپ نے اپنی ناتوانی اور ضعف کے باعث قبول نہ فرمایا۔ اسی کلیہ کے ایک عظیم استاذ ”محمد ابو زہرہ“ علامہ محمد زاہد الکوثری کی علمی شخصیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ استاذ ابو زہرہ نے اپنی ایک تعارفی تحریر میں علامہ محمد زاہد الکوثری کو ۱۲ مقامات پر ”امام“ سے یاد کیا ہے اور ایک مقام پر



توان کو ”مجدد“ بھی لکھا ہے۔

۱۳ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ متعدد علمی اور تحقیقی یادگاریں چھوڑیں۔ ”مُحَقِّقُ  
الْعُقُولِ لِمَنْ مَسْنَلَةِ التَّوَسُّلِ“ حضرت علامہ کوثری کا وہ بے نظیر رسالہ ہے جس میں پرزور دلائل  
کے ساتھ وسیلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ اسے ایک عرب عالم شیخ محمد رشید نے ادارہ الجمع  
الاسلامی کو پیش کی اور ساتھ ہی اس کے ترجمہ کی فرمائش کی۔

اس موضوع پر ایک ایسے عالم کی تحقیق جس کی خدمات کا دائرہ کئی ملکوں پر پھیلا ہوا ہو  
اور جو علمی دنیا میں سند کی حیثیت رکھتا ہو ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی علمی افادیت کی حامل ہوگی۔ اسی  
مقصد کے پیش نظر یہ تحقیق پیش کی جا رہی ہے۔

(ادارہ الجمع الاسلامی مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی))



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ وَصَلَوْتُ اللَّهُ وَسَلَامُهُ عَلَى سَيِّدِنَا  
 مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ ۝

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جو سارے مسلمانوں کو اس جرم میں کافر قرار دیتا ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور بزرگوں کا وسیلہ لاتے ہیں۔

اس طرح گویا جمہور مسلمین بت پرستی کا شکار ہیں۔ (معاذ اللہ) اس لیے میں نے مناسب خیال کیا کہ وسیلہ کے بارے میں ائمہ اسلام کی رائے پیش کروں کیونکہ انہیں حضرات کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ توحید، شرک اور بت پرستی کے درمیان خط امتیاز سمجھ سکیں اور ہر ایک کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے دکھادیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق کتاب و سنت کے دلائل پیش کر دیئے جائیں اس طرح یہ مختصر رسالہ تیار ہو گیا جسے ”مَحَقُّ النَّقُولِ فِي مَسْئَلَةِ التَّوَسُّلِ“ کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ہم گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ وسیلہ کے بارے میں ایک طبقہ کا مزاج یہ ہے کہ اس کو وہ اتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کے سبب مشرک قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اس طبقہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ حد درجہ لچر اور کمزور ہیں۔ اس کے برعکس وسیلہ کے حق ہونے کے جو دلائل ہیں وہ نہایت روشن اور واضح ہیں۔

ان لوگوں کی باتوں میں سچائی کہاں سے ہو سکتی ہے ان کے خلاف کتاب و سنت کے بھی دلائل ہیں عقلی دلیلیں بھی اور امت کا متواتر عمل بھی۔

کتاب اللہ:

قرآن کہتا ہے:

وَاصْبِرُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (مائدہ: ۳۵) خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ شخصیتوں کا بھی ہو سکتا ہے اور عمل صالح کا بھی اور لفظ وسیلہ اپنے عموم کے باعث دونوں کو شامل ہے بلکہ شریعت میں اس سے شخصیتوں ہی کا وسیلہ پہلے سمجھ میں آتا ہے پھر اس سلسلے میں یہ کہنا کہ صرف زندہ شخصیت کا وسیلہ لایا جاسکتا ہے یہ اس کا عقیدہ ہو سکتا ہے جس کا خیال ہو کہ

روحیں جسموں سے جدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حشر و نشر بھی کوئی چیز نہیں اور رگوں کے جسموں سے جدا ہو جانے کے بعد ان کے احساسات و ادراکات بھی فنا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات شرعی دلیلیوں کے سراسر خلاف ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ آیت مذکورہ میں لفظ وسیلہ شخصیتوں سے وسیلہ لینے کو بھی شامل ہے یہ محض کسی عامی کی رائے نہیں اور نہ ہی ایسا ہے کہ صرف وسیلہ کے لغوی عموم سے اسے اخذ کر لیا گیا ہے بلکہ یہ معنی حضرت فاروق اعظمؓ سے بھی منقول ہے۔ بارش کے لیے دعا میں حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیا اور یہ الفاظ استعمال کیے۔

هَذَا وَاللّٰهُ اَلْوَسِيْلَةُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بخدا ایہ عباسؓ کے حضور وسیلہ ہیں۔

سنت:

حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے۔

يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَى رَبِّیْ اے محمد ﷺ میں آپ

کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے نابینا صحابی کو بذات خود یہ الفاظ بتائے..... ظاہر ہے اس میں شخصیت کا وسیلہ ہے عمل کا نہیں۔ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر کوئی دوسرا معنی نکالنا ہوائے نفس کی پیروی میں تحریف کلمات کا ارتکاب کہلائے گا۔

رہی یہ بات کہ نابینا صحابی کی دعا کی مقبولیت حضور کے دعا کر دینے سے ہوئی (جس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں یا خود انہیں صحابی کے دعا کرنے سے ہوئی۔ یہ ہماری بحث سے الگ بات ہے۔ ہماری دلیل تو صرف حضور نے مروی یہ دعا ہے۔ اس روایت پر کوئی نقد بھی نہیں کر سکتا کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جس کی قدرے تفصیل ہم آگے دے رہے ہیں۔

(۲) حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ

اے رب! یہ دعا قبول فرما اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے۔

اس حدیث کے سارے راوی علاوہ روح بن صلاح کے ثقہ اور معتبر ہیں۔ روح بن

صلاح کے بارے میں حاکم نے فرمایا ہے..... ”یہ معتبر اور ثقہ ہیں۔“ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ و معتبر راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ میں زندوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس روایت میں صاف لفظوں میں انبیاء کے جاہ و منزلت سے وسیلہ موجود ہے۔

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ آئے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ

اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے یہاں جو حق ہے اس کے وسیلہ سے

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اس میں سارے ہی مسلمانوں کا وسیلہ ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرتے ہیں اپنی سند کے اندر منفرذ نہیں۔ ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں اور دوسرے راوی عطیہ کی کئی روایتوں کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

انبیاء و صلحاء خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں ان کا وسیلہ لانا ہر دور میں امت مسلمہ کا وظیفہ اور طریقہ رہا ہے۔

(۴) استسقاء (بارش کی دعا) کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں:

وَأَنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِينَا

اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔

یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ صحابہ نے خود صحابہ کا وسیلہ لیا ہے۔ اس روایت میں حضرت

عباسؓ کی شخصیت کا وسیلہ عیاں ہے۔

یہ جملہ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے لیکن انشاء تو سئل کے لیے لایا گیا ہے اور یہ تو سئل حضرت عباسؓ سے ہے۔ جملہ خبریہ کا وہی مقصد ہوا کرتا ہے ایک تو یہ کہ مخاطب کو ظم نہیں، خبر اسے باخبر کرنا چاہتا ہے جیسے کوئی کہے میں کل تمہارے گھر گیا تھا مگر تم موجود نہ تھے..... دوسرے یہ کہ مخاطب تو جانتا ہے مگر خبر اسے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں بھی جانتا ہوں جیسے کوئی کہے کل تم میرے یہاں آئے تھے مگر مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی اور حضرت عمرؓ کے قول (اے خدا! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) میں خبر کے دونوں ہی معنی ممکن ہیں۔ اس لیے کہ رب تعالیٰ

ان کے وسیلہ لانے کو بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنے توسل سے واقف ہیں۔ اس لیے حضرت عمر کی اس دعاء سے انشاءے توسل اور حضرت عباس کو بارگاہ الہی میں وسیلہ لانا ہی مقصود ہے۔

اور حدیث کے ٹکڑے ٹکڑے مثلاً ”مَنْ شَاءَ فَلْيُفْعَلْ مَخْذًا“..... ہم ایسا ہی کرتے ہیں..... اس مذکورہ قول کے زمانہ سے پہلے زمانہ میں کسی فعل کے ہونے کو بتاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کی ظاہری زندگی میں بھی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد بھی عام رماہ تک آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے..... اس لیے کسی کا یہ کہنا کہ یہ وسیلہ حضور ﷺ کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا یہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور الفاظ حدیث کی تحریف اور تاویل بلا دلیل ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں استقواء کے لیے حضور ﷺ کے بجائے حضرت عباس کا وسیلہ لیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک انبیاء سے ان کی وفات کے بعد وسیلہ لینا جائز نہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ مطلب کسی طرح اس حدیث سے اخذ نہیں ہوتا..... بلکہ یہ ایک ناکام کوشش اور ناممکن خیال ہے۔ اس قائل نے حضرت عمرؓ کی طرف ایسی چیز منسوب کر دی ہے جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ان کی زبان سے ایسے خیال کا اظہار تو بہت دور کی بات ہے۔

ایسا مطلب بتانا اپنی رائے سے ایک صحیح اور صریح حدیث کو لغو اور باطل ٹھہرانے کا مصداق ہوگا۔

ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ کا وسیلہ لایا جاسکتا ہے اسی طرح آپ کے زندہ رشتہ داروں کا بھی وسیلہ لانا جائز اور درست ہے۔ استیعاب از ابن عبد البر میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ.....

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عام رماہ مکہ کے اندر سخت قحط سالی ہوئی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا ”امیر المؤمنین! بنی اسرائیل جب اس طرح کی قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے رشتہ داروں کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا..... اچھا تو یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا آپ کے والد کے بھائی اور بنو ہاشم کے سردار حضرت عباس موجود ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے قحط سالی کا شکوہ کیا۔

کیا اب بھی واضح نہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کی شخصیت کا وسیلہ لانا اس لیے نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) مردہ ہیں، پکار کر سنتے نہیں اور خدا کے یہاں ان کا کوئی مرتبہ نہیں؟ معاذ اللہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ایک بڑا بہتان ہوگا۔

(۵) مالک دار سے مروی حدیث ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارثؓ نبی ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کریں۔ لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث کو خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا عمر کے پاس جاؤ۔ ان سے سلام کہو اور بشارت دے دو کہ اب بارش ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کا وسیلہ لانا اس حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ابن ابوشیبہ نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ص ۹)

(۶) حضرت عثمان بن حنیف کی مذکورہ حدیث، جس میں خود نبی ﷺ نے ان کو دعائے حاجت کی تعلیم فرمائی..... حضرت عثمان بن حنیف کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ایک کام تھا۔ اس روایت میں نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ لایا گیا ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو طبرانی نے صحیح قرار دیا ہے اور ابوالحسن ہشمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کیا ہے جس کی قدرے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

محدث کبیر محمد عابد سندھی نے وسیلہ سے متعلق روایات و احادیث کو ایک خاص جزء میں جمع کیا ہے۔ یہ مجموعہ بہت جامع اور کافی وشافی ہے۔

**امت کا دستور عمل:**

آغاز اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیاء و صلحاء کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں اتنا کچھ موجود ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) ”مناسک امام احمد“ میں خدا کی بارگاہ میں نبی ﷺ سے وسیلہ لینے سے متعلق ابوبکر

مروزی کی روایت موجود ہے۔

(۲) شیخ حنابلہ ابو الوفا بن عقیل نے ”تذکرہ“ میں مذہب حنابلہ کے مطابق سرکار سے

توسل کا طویل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ہم نے ”السیف الصقل“ کے کلمہ میں ان کے الفاظ بیان کر دیے ہیں۔

(۴) امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کا وسیلہ لانا صحیح سند کے ساتھ تاریخ خطیب کے شروع

میں مذکور ہے۔

(۵) حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی نے اپنے لا علاج پھوڑے سے شفا یابی کے لیے امام

احمد کی قبر پر ہاتھ پھیرا۔

حافظ ضیاء مقدسی نے اپنے استاذ موصوف سے سن کر اپنی کتاب ”الحکایات المنشورہ“

میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب آج بھی ”ظاہریہ“ دمشق میں موجود ہے اور لطف یہ کہ خود مؤلف کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔

یہ کتاب آج کیا یا کابرا اسلام قبر پرست تھے۔

عقل:

امام فخر الدین رازی، علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ سید شریف جرجانی اور ان جیسے بڑے بڑے ائمہ اسلام جن سے مشکل مسائل کا حل لیا جاتا ہے، یہ حضرات انبیاء و صلحاء خواہ زندہ ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں، ان سے وسیلہ لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کون ہوگا جو ان حضرات کو شرک کا داعی اور قبر کا پجاری قرار دے گا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ نے ایمان و کفر اور توحید و دین کو انہیں حضرات سے سیکھا ہے۔ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ دراصل ساری مذہب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

اب اس مسئلہ میں ان عظیم شخصیتوں کے اقوال انہیں کے الفاظ میں پیش کیے جا رہے

ہیں۔

(۱) امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

جو روحمیں جسمانیات سے پاک ہو چکی ہیں اور جسموں کی تاریکی سے آزاد ہونے کے بعد عالم بالا سے مل جانے کا شوق رکھتی ہیں، وہ روحمیں عالم قدس اور عالم ملائکہ میں پہنچتی ہیں۔ ایسی روجوں کے اثرات اس دنیا کے حالات کے سلسلہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ مدبرات امر (کاروبار عالم) کی تدبیر کرنے والی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے اور

اپنی کوئی مشکل اس کے سامنے رکھتا ہے اور وہ استاذ اس کی مشکل کا حل پیش کر دیتا ہے۔  
 (۲) نیز امام رازی "المطالب العالیہ"..... یہ کتاب اصول دین کی اہم اور مفید ترین کتاب ہے کے مقدمہ ثالثہ کتاب سابع کی دسویں فصل میں فرماتے ہیں..... انسان کبھی کبھی اپنے ماں باپ کو خواب میں دیکھتا ہے اور ان سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہے اور وہ لوگ اس کو صحیح جوابات دیتے ہیں اور کبھی تو وہ ایسے دفتینہ کی خبر دیتے ہیں جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔

(۳) پھر آگے فرماتے ہیں..... اپنے بچپن میں جب میں زیر تعلیم تھا اس وقت یہ بحث پڑھتا "حوادث لا اول لہا" واقعات جن کا آغاز نہیں۔ میں اس بحث کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں..... اس بحث کی بہترین دلیل یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کو حرکت کہتے ہیں۔ اس طرح حرکت کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہو اور ازل کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اس طرح دونوں کا ایک ساتھ وجود میں آنا لازماً محال ہوگا۔  
 پھر مصنف اس دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اب تک جو کچھ بھی کہا گیا ہے ان میں سب سے بہتر یہ دلیل ہے۔

(۴) میں نے سنا ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود گنگین کے نام پر اپنا مشہور شاہ نامہ مرتب کیا اور سلطان نے اس کا صلہ ادا نہ کیا تو اس کے اندر ایک طرح کی بددلی پیدا ہو گئی۔ وہ اس کشمکش میں تھا کہ اس نے "رستم" کو خواب میں دیکھا۔ رستم اس سے کہہ رہا ہے تم نے اس کتاب میں میری بڑی تعریف کی ہے اور میں مردہ ہوں تم کو صلہ نہیں دے سکتا۔ ہاں! میں تمہیں ایک جگہ دفتینہ کی نشاندہی کرتا ہوں تم وہاں جا کروہ خزانہ لے لینا..... اس کے بعد فردوسی کہا کرتا تھا "مردہ رستم زندہ محمود سے کہیں زیادہ کریم ہے۔"

(۵) امام رازی اسی مقالہ ثالثہ کی چند روئیں فصل میں دلیلیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں..... اس سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس میں چیزوں کے معلوم کرنے کی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اصول ہے جس سے علم المعاد و حشر و نشر کے بارے میں استفادہ کیا جاسکتا ہے.....

(۶) امام رازی اسی مقالہ کی اٹھارویں فصل میں فرماتے ہیں..... یہ اٹھارویں فصل



اموات و قبور کی زیارت سے استفادہ کے بیان میں ہے۔

پھر فرماتے ہیں..... اس مسئلہ کے بارے میں ایک عظیم سلطان بادشاہ محمد بن سام بن حسین غوری نے مجھ سے پوچھا یہ بادشاہ اچھے اخلاق و سیرت کا حامل تھا۔ اہل علم اور اہل دین و وائش سے اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ اس نیک دل بادشاہ کے جواب میں میں نے ایک رسالہ لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اس بحث کے چند مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ:

اس کی دلیل ہم قائم کر چکے کہ جسموں کے مرنے کے بعد ان کی روہیں زندہ رہتی ہیں..... اور یہ روہیں ان روحوں سے جو ابھی جسموں میں ہیں، بعض حیثیتوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں اور بعض چیزوں میں یہ جسموں والی روہیں زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ جسموں سے آزاد روہیں اس طرح زیادہ طاقتور ہوتی ہیں کہ یہ روہیں جب اپنے جسموں سے جدا ہو گئیں تو ان کا پردہ ہٹ گیا۔ اور ان کے لیے عالم غیب اور منازل آخرت کے سربستہ راز کھل گئے اور ایسے بہت سے علوم جو دلائل سے معلوم ہوتے تھے اب ان روحوں کو یہ علوم بدابستہ اور مشاہدہ سے معلوم ہونے لگے کیونکہ یہ روہیں جب تک جسموں میں تھیں، تو وہ گویا ایک برتن میں بند تھیں، جب بدن کی قید سے آزاد ہو گئیں تو ان میں ایک خاص قسم کی چمک اور درخشندگی پیدا ہو گئی۔ اس طرح ان آزاد ہونے والی روحوں کے اندر ایک خوبی اور کمال پیدا ہو گیا اور جسموں سے وابستہ روہیں اس اعتبار سے زیادہ طاقتور ہیں کہ فکر و نظر کے ذریعہ اکتساب و طلب کے آلات ان روحوں کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہ روہیں ہر روز ایک نیا تجربہ حاصل کرتی ہیں اور جسموں سے آزاد روحوں کو یہ چیزیں میسر نہیں۔

دوسرا مقدمہ:

روحوں کا اپنے جسموں سے شدید عشق اور کامل محبت جیسا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی حاصل کی جاتی ہے وہ صرف اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ اس سے جسم کو آرام، راحت اور فائدہ حاصل ہوگا..... جب انسان مر جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ میلان و رجحان اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور روح کا جسم سے جو عشق تھا وہ بھی بحال رہتا ہے اور پھر اس روح کا اپنے بدن کی طرف میلان اور جھکاؤ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ہمارا ثابت کردہ وہ نظریہ ہے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ نفس مطلقہ جزئیات کا ادراک

کرتا ہے اور نفس ناطقہ اپنے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی اپنے اندر ادراک کی قوت باقی رکھتا ہے۔

ان مقدمات کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ جب انسان ایک طافور اور با اثر روح والے انسان کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں تھوڑی دیر کے لیے رکتا ہے تو اس کا نفس اس تربت سے اثر پذیر ہوتا ہے..... اور پہلے بتایا جا چکا کہ اس میت کی روح کا اس تربت سے ہمیشہ تعلق قائم رہتا ہے۔ ایسے میں ان دونوں کے یکجا جمع ہونے سے اس زیارت کرنے والے شخص کو اس صاحب قبر سے ایک طرح کی ملاقات ہوتی ہے اور یہ دونوں روئیں ان دو صاف و شفاف آئینے کی طرح ہو جاتی ہیں جو اس طرح رکھے گئے ہوں کہ شعاعیں چھن کر ایک دوسرے کو پہنچ رہی ہوں۔ اللہ کے لیے خشوع و خضوع اور اس کے فیصلے پر راضی ہونے کے باعث جو علوم و معارف اور اخلاق فاضلہ اس زائر کو ملتے ہیں اس سے ایک نور نکل کر اس میت کی روح تک پہنچتا ہے اور اسی طرح زیارت کرنے والے اور صاحب قبر کی روحوں کو اس زیارت سے ایک عظیم نفع اور زبردست سرور نصیب ہوتا ہے۔ یہی زیارت قبر کے شروع ہونے کا اصلی سبب ہے۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس سے بھی کچھ زیادہ راز ہائے سر بستہ حاصل ہوتے ہوں جن کا صحیح علم صرف وحدہ لا شریک کے پاس ہے۔

یہ امام فخر الدین رازی کا نظریہ ہے جس میں انہوں نے واضح فرمایا کہ زیارت میں زائر اور صاحب قبر کے مراتب کے تناسب سے اخذ و استفادہ اور عطا و افادہ کا سلسلہ باہم پایا جاتا ہے۔

(۷) علامہ محقق سعد الدین تفتازانی ”شرح المقاصد“ کی دوسری جلد ص ۳۷ پر فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ کتاب اصول عقائد کی بنیادی کتابوں میں ہے) فلاسفہ کے یہاں جزئیات کے ادراک کے لیے آلات و ذرائع میں صورت کا حاصل ہونا شرط ہے۔

جب بات یہ پھری تو روح کے جسم سے جدا ہو جانے اور ذرائع و آلات کے ناپید ہو جانے کے بعد نفس میں جزئیات کے لیے قوت ادراک باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔

ہم جواب دیں گے ہمارے یہاں جزئیات کے ادراک کے آلات و ذرائع شرط

نہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ادراک نفس میں یا حواس میں حصول صورت کا نام نہیں یا پھر اس لیے کہ جزئی کی صورت کا نفس میں مرتسم ہونا محال نہیں..... بلکہ اسلامی اصول سے تو یہی ظاہر ہے کہ جسم کے روح سے جدا ہو جانے کے بعد بھی روح کو جزئی قسم کے ادراکات اور زندوں کے حالات کے جزئیات پر اطلاع ہوتی ہے۔ خصوصاً میت کا جن سے تعارف اور لگاؤ ہوتا ہے ان کے حالات سے اس میت کو آگاہی ہوتی ہے اسی لیے زیارت قبور سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور بھلائیوں کے حصول اور مصیبتوں کے ازالہ کے سلسلہ میں وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے مدد بھی لی جاتی ہے۔ اس لیے روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس جسم اور خاک سے جہاں یہ جسم مدفون ہوا ہے ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

جب یہ زیارت کرنے والا اس خاک پر آتا ہے اور اس کی روح اس صاحب قبر کی روح کے قریب آتی ہے تو دونوں روحوں کے درمیان ایک قسم کی ملاقات اور فائدہ رسانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی کی یہ تحقیق ہے۔ کیا علامہ تفتازانی بھی ان لوگوں میں سے ہو سکتے ہیں جو توحید اور شرک کے درمیان تمیز نہیں رکھتے؟ ایسا خیال رکھنے والے ذہن کا برا ہو۔

(۸) مزید علامہ تفتازانی اسی جلد کے ص ۱۵۰ پر رقم طراز ہیں۔

الحاصل اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور تقریباً اسی قدر ہے جتنا کدانیائے کرام سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔

بد مذہب اگر اس کا انکار کرتے ہیں تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، کیونکہ انہوں نے عبادت کے کاموں کی بجائے آدمی اور برائیوں سے اجتناب میں سرگرمی و کوشش کے باوجود نہ تو اپنے اپنے کسی کرامت کا مشاہدہ کیا، نہ اپنے کو برتر و بالا سمجھنے والے اپنے پیٹرواؤں کے بارے میں ایسا کچھ سنا اس لیے سرے سے کرامات اولیاء ہی کا انکار کر بیٹھے اور ان کی بدگوئی اور غیبت پر اتر آئے۔ صالحین کی کھال چاک کرنا اور ان کا گوشت چبانے کا مشغلہ بن گیا۔ ان کو جاہل صوفیہ کے لقب سے یاد کرنا اور ان کو اہل بدعت میں شمار کرنا بھی شیوہ ٹھہرا۔ یہ اپنی مسلسل غیبت گوئی کی وجہ سے اس مثل کے مصداق ہیں او مسعنہم سنا وادوا بالابل۔ انہیں پتہ نہیں کہ حصول کرامت کی بنیاد عقیدہ کی درستی باطن کی صفائی، طریقت کی پیروی اور حقیقت کی برگزیدگی پر قائم ہے۔

اولیائے کرام کے سلسلہ میں یہ اس محقق کا ارشاد ہے جن کا تصوف سے تعلق نہ تھا.....

اولیائے کرام کی آبروریزی کرنے والوں کے لیے اس بیان میں عبرت کا سامان موجود ہے۔  
(۹) علامہ سید شریف جرجانی حاشیہ ”مطالع“ میں فرماتے ہیں نبی ﷺ پر کتابوں کے شروع میں درود لکھنے اور فیض یابی کے لیے عظیم ہستیوں کا وسیلہ لینے کی وجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں..... اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بڑی شخصیتوں کا وسیلہ بس ان کی ظاہری زندگی ہی تک محدود ہے ان کے جسموں سے روجوں کے رخصت ہونے کے بعد توسل کی گنجائش نہیں۔

تو ہم جواب دیں گے توسل اور فیض یابی کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ پاکیزہ ہستیاں اس دنیا کے اندر اپنے جسموں سے تعلق قائم رکھتے ہوئے اپنی زبردست ہمت و عزیمت کے ساتھ ناقص افراد کی تکمیل میں مصروف رہ چکی ہوں۔ بعد وفات بھی ان کے اندر اس کا اثر باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات کی زیارت زائرین کے لیے منبع انوار ثابت ہوتی ہے..... جس کا اصحاب نظر مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

غرض! اس مسئلہ میں کتاب و سنت، عمل امت و دستور مسلمین اور ائمہ دین سب متفق و متحد ہیں۔ اس کے باوجود جو انکار و عناد پر آمادہ ہو وہ راہ حق سے منحرف ہے۔  
اب ہم ذیل میں اس سلسلہ کی احادیث و روایات پیش کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے آیات و وسیلہ کا مفہوم واضح کرتے چلیں۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ کے لیے وسیلہ لاؤ۔

اس میں شخصیت اور عمل دونوں کا وسیلہ مطلوب ہے اس لیے کہ وسیلہ ان دونوں چیزوں کو شامل ہے..... یہ استدلال نہ تو محض رائے سے ہے نہ صرف عموم لغوی کے تحت ہے بلکہ اس کے حق میں واضح روایتیں بھی موجود ہیں۔

ابن عبد البر نے ”استیعاب“ میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے بارش ہونے کے لیے وسیلہ لیا تھا اور ان کے وسیلہ سے بارش ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔

هَذَا وَاللَّهِ الْوَسِيلَةُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمَكَانُ مِنْهُ

حضرت عباسؓ اللہ کی بارگاہ کے وسیلہ اور صاحب مرتبہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد کا ایک حصہ اور ”فتح الباری“ میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

وَاتَّخِذُوهُ (يَعْنِي الْعَبَّاسَ) وَبِسِلَّةِ إِلَى اللَّهِ

لوگو! ان (حضرت عباسؓ) کو خدا کی بارگاہ کے لیے وسیلہ بناؤ۔

اگر کہا جائے کہ فاروق اعظم کے ارشاد ”اتَّخِذُوهُ وَبِسِلَّةِ“ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس سے دعا کرو تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں اس معنی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمران سے دعا کی درخواست تو پہلے ہی کر چکے تھے جس پر انہوں نے آگے بڑھ کر دعا بھی کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے فرمان ”اتَّخِذُوهُ وَبِسِلَّةِ“ کا یہی معنی ہوگا کہ ان کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ نے اپنے عمل سے لوگوں پر اسے واضح کیا تھا۔ وَلَكِنَّ الْهُوْىَ يَغْمِي وَيُضْمِ

فتح الباری میں منقول ہے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ”لوگ آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔“ اس میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے حضور سے درخواست کی ہو کہ حضور ان کے لیے بارش طلب کریں۔ اس لیے کہ دونوں شکلوں میں اس کا امکان ہے کہ خود صحابہ کرام نبی ﷺ کا وسیلہ لا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا کرتے تھے۔ ابن رشد نے تو اپنے اس قول سے ساری بحث ہی کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ عنوان باب:

بَابُ سُؤْلِ النَّاسِ الْإِمَامَ الْإِسْتِغْنَاءَ

لوگوں کا امام سے استغناء کے لیے درخواست کرنے کا باب۔

کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب لوگ حضور ﷺ کو وسیلہ بنا کر خود اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور بارش نازل فرماتا تو اگر خود حضور ﷺ ہی کو دعا کے لیے آگے بڑھائیں تو یہ بدرجہ اولیٰ درست اور مناسب ہوگا۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی ﷺ وسیلہ ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دعا کرائی جائے۔ ایسے لوگوں کا خیال ان دنوں محققین کے قول سے غلط ہو کر رہ جاتا ہے کہاں وسیلہ لینا اور کہاں دعا کرانا۔

ہاں! کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس کا وسیلہ لیا جاتا ہے وہ وسیلہ لینے والے کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن یہ توسل کا لغوی یا شرعی معنی ہرگز نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا وسیلہ حق ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ کے تحت تفسیر علامہ بغوی وغیرہ

میں یہ روایت آئی ہے۔

(۲) وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَ

هُمْ مَاعِزٌ قُتِلُوا كَفَرُوا بِهِ (البقرہ: ۸۹)

یعنی اہل کتاب یہودی نبی ﷺ کے وسیلہ سے اہل کفر کے مقابلہ میں فتح مانگا کرتے مگر جب یہ نبی ﷺ تشریف لائے تو یہ انکار کر بیٹھے۔

یہودی پر جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا تو یہ دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهُ فِيْ التَّوْرَةِ لَكَانُوا يَنْصُرُوْنَ ۝

اے اللہ! دشمن پر ہماری مدد فرما اس نبی ﷺ کے وسیلہ سے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔

چنانچہ یہود اس طرح دعا کرتے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی۔

اس سلسلہ کی مکمل روایتیں ”الدر المنثور“ از سیوطی میں مرقوم ہیں۔

درج ذیل آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کا وسیلہ بالکل واضح ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء: ۹)

اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے

مغفرت کا سوال کریں اور آپ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں تو یقیناً وہ

لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا یہ وسیلہ آپ کی ظاہری زندگی ہی تک

محدود تھا تو یہ بات بلا دلیل بلکہ خواہش نفس کی پیروی ہوگی۔

مطلق اپنے اطلاق پر ہی ہوگا۔ اس پر اہل حق کا اتفاق ہے۔ مطلق کسی دلیل ہی سے

مقید ہوگا اور اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس مطلق کو مقید بنا سکے۔

اس آیت کے سلسلے میں سارے مذاہب کے فقہاء حتیٰ کہ حنبلی حضرات بھی اس بات

کے قائل ہیں کہ آیت بعد وفات کے زمانہ کو بھی شامل ہے اور انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حنبلی حضرات کے نزدیک زیارت قبر انور کے وقت توسل کے الفاظ کیا ہیں؟..... یہ

قدیم حبلی بزرگ ابوالوفاء بن عقیل کی کتاب ”التذکرہ“ سے ہم نے ابن قیم کے قصیدہ نونیہ کے رد ”السیف الصقل“ کے کلمہ میں ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ تو سئل میں مذکورہ آیت کریمہ اور سرکار سے تو سئل دونوں موجود ہیں..... جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیت بالا سے تو سئل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

حق کی حدیث میں بھی اس آیت کریمہ کو ذکر کر کے سرکار سے تو سئل کا واقعہ موجود ہے۔ اس روایت کو محض زور قلم سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

اب ہم وہ روایات و احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے۔ سابقہ صفحات میں احادیث کی جانب جو اجمالی اشارہ کیا گیا ہے اب اس کی تفصیل کے لیے ہم یہاں کچھ احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں جن سے واضح طور پر وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) بخاری نے استقاء کے بیان میں روایت کی ہے حضرت انسؓ سے مروی ہے حضرت عمر بن خطابؓ کا معمول تھا کہ جب قحط پڑتا تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کا سوال کرتے..... ان کے الفاظ یہ ہوتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنَّا تَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم  
فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِیْنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ o  
اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی ﷺ کے واسطے سے بارش کا سوال کرتے تھے  
اور تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے  
بارش کا سوال کر رہے ہیں اے رب! ہم پر اس وسیلہ سے بارش نازل فرما  
راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بارش ہوا کرتی۔

اس حدیث میں شخصیت کا وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے۔ اس روایت کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ عبارت اصل میں یہ ہے ”بِذُعَاءِ عَمِّ نَبِيِّنَا“ یہ مطلب غلط اور بے بنیاد ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی وفات کے باعث آپ کا وسیلہ ترک کیا گیا اور حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیا گیا..... یہ ایک ایسی بات ہوگی جو حضرت عمرؓ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزری ہوگی بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برتر کے ہوتے ہوئے بھی کمتر سے وسیلہ لیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ”بَعَمَ نَبِينَا“ کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو وسیلہ لیا گیا ہے وہ حضرت عباس کے رشتہ نبی ﷺ کا ہی وسیلہ ہے اور حضور کے یہاں جو ان کا رتبہ تھا اس کا وسیلہ ہے دو درحقیقت نبی ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔

حدیث کا دوسرا لفظ ”مُحَنَّا“ یہ صرف عہد نبی ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کے بعد عام رماوہ تک کے زمانہ کو بھی شامل ہے اس لیے اس کو عہد نبی ﷺ کے ساتھ متعین کرنا بلا دلیل ہے۔

ابن عمرؓ بخاری کی روایت کے مطابق ابو طالب کا یہ شعر بھی سنایا کرتے تھے۔  
وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى أَنْعَامُ بَوَّجْهٍ

آپ روشن و سفید رو ہیں آپ کے چہرہ انور کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے۔  
بلکہ فتح الباری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے خود یہ شعر پڑھنے کی فرمائش کی ہے۔  
اسی طرح حضرت حسانؓ کے اس شعر میں وسیلہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔

”فَسَقَى الْغَمَامُ بِغُرَّةِ الْعَبَّاسِ“ (استعاب)

ان سب روایات و اشعار میں یہ حقیقت بالکل آشکار ہے کہ حضرت عباسؓ کی شخصیت اور رب تعالیٰ کے یہاں ان کا جو رتبہ ہے اس کے وسیلہ سے خدا سے بارش کا سوال کیا گیا۔

(۲) بیہقی نے مالک الدار سے روایت کی ہے اس روایت میں صاف ہے کہ حضرت بلال بن حارثؓ نے عہد عمرؓ میں نبی ﷺ کی ذات اقدس کا وسیلہ لیا تھا۔

مالک الدار اضافت کے ساتھ حضرت عمرؓ کے مولیٰ اور خازن تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بے سہارا لوگوں کا انتظام سونپا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ غنیؓ نے ان کو تقسیم کی ذمہ داری عطا کی تھی اس لیے ان کا نام مالک الدار ہو گیا۔ (طبقات سعد و اصا بہ)

معارف بن قتیہ میں ہے حضرت عمرؓ کے خدام میں ایک مالک الدار بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ایک گھر سونپا تھا جس میں وہ لوگوں کو کچھ بانٹا کرتے تھے۔ وسیلہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

أَصَابَ النَّاسُ قَحْطٌ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْقِ اللَّهَ لَأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا



فَاتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ  
 أَنْتَ عَمْرٌ فَأَقْرَنَهُ السَّلَامَ وَأَخْبِرَهُ إِنَّهُمْ يُسْقَوْنَ (الحديث)  
 عہد عمر میں لوگ قحط کے شکار ہوئے۔ ایک شخص نبی ﷺ کے روضہ اقدس  
 پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے رب تعالیٰ سے  
 بارش کی دعا فرمادیں، لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ نبی ﷺ خواب میں اس شخص  
 کیپ اس تشریف لائے اور فرمایا: تم عمر کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کہو اور  
 خبر کر دو کہ اب بارش ہوگی۔

اس حدیث سے یہ چند باتیں ثابت ہوتی ہیں.....

(۱) نبی ﷺ سے ان کی برزخی زندگی میں بارش کے لیے سوال کیا جاسکتا ہے۔

(۲) رب تعالیٰ سے آپ دعا کر سکتے ہیں۔

(۳) آپ سے اگر کوئی ایسی گزارش کرتا ہے تو آپ کو اس کا علم ہوتا ہے۔

(۴) اس شخص کے اس طرز عمل پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہ کیا جو اس کے صحیح ہونے کی  
 واضح دلیل ہے۔

یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں مختصراً ابوصالح ذکوان کے واسطے سے روایت کی  
 ہے..... ”اصابہ“ کی تصریح کے مطابق یہ حدیث ابن ابویضیمہ نے اسی واسطے سے تفصیل کے ساتھ  
 روایت کی ہے ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث ابوصالح  
 سمان کے واسطے سے مالک الدار سے روایت کی ہے۔

ابن حجر نے مزید وضاحت کی ہے کہ مذکورہ خواب ایک دوسرے صحابی بلال بن حارث  
 مزی نے دیکھا تھا جیسا کہ سیف نے ”فتوح“ میں روایت کی ہے۔

پیارے نبی ﷺ کے رحلت فرمانے کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعائے بارش کے  
 سلسلے میں یہ حدیث عمل صحابہ پر کھلی ہوئی دلیل ہے کیونکہ اس پر کسی صحابی کو کوئی اعتراض نہ ہوا جب  
 کہ صحابہ اس سے باخبر اور آگاہ تھے اس لیے کہ جو معاملہ امیر المؤمنین تک پہنچ جاتا ہے وہ ڈھکا چھپا  
 نہیں رہ جاتا، معروف و مشہور ہو جاتا ہے..... اس طرح یہ حدیث منکرین وسیلہ کی مکمل طور سے  
 زبان بند کر دیتی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک اور روایت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔

نبی ﷺ نے بذات خود ان کو ایک دعا بتائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ وَالتَّوَجُّعُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ  
الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ لِیُحَاجِّبَنِیْ هٰذِهِ  
لِتَقْضٰی لِیْ حَاجَّتِیْ

اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تیرے نبی محمد رحمت کے نبی  
کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں..... یا رسول اللہ میں آپ کا وسیلہ لا کر اپنی  
اس ضرورت کو لے کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا تاکہ میری  
ضرورت پوری ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) نبی ﷺ کی ذات اور آپ کے جاہ عالی کا وسیلہ حق ہے۔

(۲) آپ کو دور سے پکارنا اور ندا دینا بھی حق ہے۔

مگرین وسیلہ کے لیے یہ روایت بھی تازیانہ عبرت ہے۔ یہ حدیث بخاری نے ”تاریخ  
کبیر“ میں، ترمذی نے ”جامع دعوات“ میں، ابن ماجہ نے ”سنن“ صلاۃ الحاجۃ میں روایت کی  
ہے..... اور ساتھ ہی ابن ماجہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کی ہے۔ نسائی نے  
”عمل الیوم واللیلہ“ میں، ابونعیم نے ”معرفۃ الصحابہ“ میں، بیہقی نے ”دلائل النبوة“ میں اور ان کے  
سوا اور بھی کئی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل کی ہے..... اس کے علاوہ تقریباً پندرہ  
حفاظ و محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ متاخرین کے علاوہ ان محدثین میں یہ حضرات  
قابل ذکر ہیں: ترمذی، ابن حبان، حاکم، طبرانی، ابونعیم، بیہقی اور منذری..... ترمذی کی سند اس طرح  
ہے۔ (ج ۲ ص ۱۹۷ مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُثْمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ  
عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ عَمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ  
خَنِيفٍ (الحدیث)

ترمذی نے اس حدیث کو صحیح حسن غریب بتایا ہے۔ مزید فرماتے ہیں یہ حدیث ہمیں  
صرف ابو جعفر عظمیٰ کے واسطے سے پہنچی ہے۔ ابوجعفر کے بارے میں ترمذی کے کسی نسخہ میں وَهُوَ  
غَيْرُ الْخَطِیْمِ اور کسی میں ”لَیْسَ هُوَ الْخَطِیْمِ“ کے الفاظ بھی ملتے ہیں اور یہ سب ناقولوں

کے تصرفات ہیں؛ کیونکہ امام ترمذی کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ فلاں نہیں اور اس کی تفصیل سے وضاحت نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابو جعفر جنہوں نے عمارہ سے روایت کی ہے یہ عمیر بن یزید غطلی ہی ہیں جو اصلاً مدنی مائناً بصری ہیں جیسا کہ رجال کی مشہور مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

اور ابو جعفر رازی متوفی ۱۶۰ھ جو شعبہ کے مشائخ میں سے ایک ہیں انہوں نے عمارہ متوفی ۱۵۰ھ کا زمانہ قطعاً نہیں پایا..... اس لیے کہ ابو جعفر رازی کا سفر حجاز عمارہ کی وفات کے ۹ سال بعد وقوع پذیر ہوا اور شعبہ اپنی روایتوں میں قوی اور قابل اعتبار ہیں۔

ساتھ ہی طبرانی وغیرہ کے نزدیک حدیث کے دیگر واسطے بھی اصل سند سے ہی اس کی تائید کر دیتے ہیں کہ یہ ابو جعفر وہی غطلی ہیں جو متفقہ طور پر ثقہ ہیں اس حدیث کی سند بحوالہ طبرانی "شفاء السقام" از تقی سبکی میں مذکور ہے۔

ترمذی کی سند کے سارے ہی راوی ثقہ اور معتبر ہیں اور ترمذی کی اس حدیث کو غریب کہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سند میں عثمان بن عمر بروایت شعبہ منفرد ہیں..... اور ابو جعفر بروایت عمارہ بھی منفرد ہیں؛ حالانکہ یہ دونوں ہی راوی بالاتفاق ثقہ ہیں اور ایسی کتنی ہی صحیح حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ رواۃ میں کہیں کوئی راوی منفرد ہوتا ہے جیسا کہ حدیث "اِنَّ سَمَاءَ الْاَنْعَمَاءِ بِالْبَيِّنَاتِ" میں بھی یہ انفراد پایا جاتا ہے..... اسی حدیث کو امام ترمذی نے "حسن" بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو جعفر اور عثمان بن عمر کے بعد اس کے واسطے متعدد ہیں۔ اسی کو ترمذی نے صحیح بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راویوں میں صحت کے اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں۔

(۴) حضرت عثمان بن حنیف کی حدیث جس میں ایک شخص کو نماز حاجت کے ساتھ مذکورہ دعا کی تعلیم دی گئی ہے اس شخص کو امیر المومنین عثمان بن عفانؓ سے ایک کام تھا۔ اس نے وہی دعا کی اور اس کا کام ہو گیا۔

اس مقام پر جس نکتہ کی نشاندہی کرنی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صحابی نے دعائے حاجت کی حدیث سے یہی سمجھا کہ یہ دعائیہ صَلَّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا عَلَیْہِ کی ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ ہے حضور ﷺ کا وسیلہ اور یہ ہے حضور کی رحلت کے بعد آپ کو پکارنا اور ندا کرنا..... اور یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل..... طبرانی نے "معجم کبیر" میں یہ حدیث روایت کی ہے اور کئی واسطوں سے اس کا ذکر کرتے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اسی طرح ابوالحسنؑ نے ”مجمع الزوائد“ میں اس کا ذکر کرنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ان سے پہلے مندری ”الترغیب“ میں اور ان سے پہلے ابوالحسن مقدسیؒ اسی حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کر چکے ہیں۔ ابو نعیم نے بھی ”العرفۃ“ میں اور بیہقی نے بھی دو واسطوں سے یہ حدیث روایت کی ہے اور ان کی دونوں ہی سندیں صحیح ہیں۔

(۵) وسیلہ کی احادیث میں فاطمہ بنت اسد کی حدیث بھی ہے جس میں خود رسول

ﷺ کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

بِعَقِّي نَبِيَّكَ وَالْأَنْبِيَاءَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي

تیرے نبی کے اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے۔

ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ طبرانی نے ”کبیر“ اور ”اوسط“ میں یہ

حدیث روایت کی ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہیں جن کو ابن حبان اور حاکم نے ثقہ قرار

دیا ہے۔ ان کے علاوہ سارے ہی راوی صحیح بخاری کے رواۃ سے ہیں۔

اس حدیث میں وفات پانے والے انبیائے سابقین علیہم السلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں

دیکھا جاسکتا ہے۔

(۶) حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

لَمَّا اقْتَرَنَ اَدمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اسْأَلُكَ بِعَقِّي مُحَمَّدٍ لِمَا

عَفَوْتَ لِي

حضرت آدم علیہم السلام نے لغزش کے بعد بارگاہ خدا میں عرض کیا اے

میرے پروردگار! محمد ﷺ کے وسیلہ سے مجھے بخش دے۔

حاکم نے ”مستدرک“ میں یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے اس حدیث کی

سند صحیح ہے مزید فرمایا: عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے مروی یہ پہلی حدیث میں نے ذکر کی ہے۔

تقی سبکی نے ”شفاء السقام“ میں اس کی پوری سند ذکر کی ہے۔ طبرانی نے ”اوسط“ اور ”صغیر“ میں

اس روایت کی تخریج کی ہے اور ان کی دونوں روایتوں میں بعض ایسے راوی پائے جاتے ہیں جن

سے بیہقی واقف نہیں۔

ہاں! عبدالرحمن بن زید کو امام مالک نے اور ان کی متابعت میں کچھ اور حضرات نے

ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر بھی ان پر کذب کی تہمت نہیں بلکہ ان پر صرف وہم کا الزام ہے۔

اور ایسے راویوں کی روایتیں چھان بین کے بعد قبول کر لی جاتی ہیں۔ حاکم نے ایسا ہی کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس حدیث کو امام مالک نے خود قبول فرمایا جیسا کہ ابن حمید امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ابو جعفر منصور سے فرمایا:

هُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ أَبِيكَ اَذْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

محمد ﷺ تمہارا بھی وسیلہ ہیں، اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا

بھی وسیلہ ہیں۔

اب جب امام مالکؒ نے روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کو بطور دلیل پیش کر دیا تو عبدالرحمن راوی کے اوپر سے وہم اور قلت حفظ کا الزام ختم ہو گیا..... کیونکہ دوسرے الزام دینے والوں نے امام مالک کی تبعیت ہی میں الزام دیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمن بن زید ایسے محدث نہیں جن کی روایت مطلقاً مسترد کر دی جائے۔ امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر امام نے ”الام“ اور مسند میں ان کی روایت کردہ حدیث سے (فضائل میں نہیں) بلکہ احکام میں استدلال کیا ہے..... ایسی صورت میں حاکم نے مذکورہ حدیث کو اگر صحیح قرار دیا تو وہ باعث ملامت نہیں۔ یہ حدیث بلا شک و شبہ صحیح ہے۔ ہاں! جن کے سینے فضائل مصطفیٰ سے تنگ ہوں وہ تو اس کی صحت سے انکار ہی کرتے رہے گے۔

امام مالکؒ کا مذکورہ ارشاد قاضی عیاض نے ”الشفاف بتعريف حقوق المصطفى“ میں عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱) اس روایت کی سند میں جو ابن حمید مذکور ہیں وہ محمد بن حمید رازی ہیں، یہی راجح ہے وہ نہیں جو امام تقی الدین سبکی کا گمان ہے لیکن ان رازی کا حال ایسا نہیں جیسا کہ شمس بن عبدالبہادی نے تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ شمس بن عبدالبہادی نے ان کے ساتھ ناروا سلوک یہ کیا ہے کہ ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کر دی ہیں اور ان کی تعریفوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

ابن عبدالبہادی ان تین میں سے ایک ہیں جو عالم شباب میں ابن تیمیہ سے ملے اور ان سے فریب خوردہ ہو کر راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ جو دلائل ان کے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف پڑتے ہیں ان میں یہ صاحب ”جرح“ کا ذکر کرتے ہیں اور ”تعدیل“ کو گول کر جاتے ہیں۔

یہ محمد بن حمید وہ ہیں جن سے ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن ابوشیثمہ بیان کرتے ہیں رازی کے بارے میں ابن

معین سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، ثقہ اور دانشمند ہیں۔ ان سے استناد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام احمد نے فرمایا ”ری“ میں اس وقت تک علم ہوگا جب تک محمد بن حمید ہوں گے۔ ابن حمید وہ ہیں جن کی صاعانی اور ذہلی نے بھی تعریفیں کی ہیں..... خلیلی ”الارشاد“ میں رقمطراز ہیں ابن حمید علم حدیث کے عالم اور حافظ ہیں۔ احمد اور یحییٰ نے ان کو پسند کیا۔ امام بخاری نے فرمایا ”فیہ نظر“..... نہیں اس جیسی حدیث کے سلسلے میں وہ معتم نہیں۔ لمبی عمر پا کر ۲۳۸ھ میں رحلت فرمائی۔ امام مالک کے وصال کے وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کم نہ تھی جبکہ یہ لوگ اپنے امام کی ”مسند“ میں پانچ سال کے راوی کی روایت بھی قبول کرتے نظر آتے ہیں۔

(۲) یعقوب بن اسحاق کے بارے میں خطیب نے تاریخ میں کہا ”لَا بَأْسَ بِهِ“ ان میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن منتاب، اسماعیل قاضی کے بڑے اصحاب میں سے ایک ہیں۔ ان کو تقریباً ۳۰۰ھ میں مقتدر نے مدینہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور اس زمانہ میں غیر ثقہ عالم مدینہ منورہ کا قاضی ہو سکتا تھا۔

(۴) اور ان کے شاگرد محمد بن احمد بن فرج کی سمعانی نے ”الانساب“ میں ذکر جزاء ری کے تحت توثیق کی ہے۔ ابن اثیر نے ”اللباب“ میں اس توثیق کو برقرار رکھا ہے۔

(۵) ابوالحسن نہری بھی یقیناً ثقہ ہیں۔ ”العمر“ از ذہبی میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

(۶) ابن ولہاس ابن عبداللہ کے ثقہ مشائخ میں سے ایک ہیں۔ ”صلۃ“ ابن بسکوال

مطبوعہ مادریہ میں ان کا تذکرہ مرقوم ہے۔ راویوں کے جو تذکرے ہم نے اوپر پیش کیے ہیں تقریباً اسی انداز سے سبکی نے ”شفاء القام“ میں قلمبند کیا ہے۔

ابن عبداللہادی اس حدیث کے قبول کرنے سے صرف اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ روایت ان کے شیخ ابن تیمیہ کے تفردات کے خلاف پڑتی ہے۔

ابن منتاب کے اس حدیث کے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ قاضی اسماعیل مالکی کی ”مبسوط“ میں جو کچھ ہے اس کی تردید کر سکیں جو ابن وہب بروایت مالک کے خلاف ہے۔ شیخ اسماعیل عراق کے ہیں اور اہل مدینہ اور اہل مصر عراقیوں سے زیادہ امام مالک کے مسائل سے آگاہ ہیں۔ ساتھ ہی اسماعیل نے امام مالک تک کی سند کا ذکر بھی نہ کیا بلکہ اسے برسلا

بیان کر دیا ہے مگر چونکہ یہ ابن عبد الہادی کی خواہش کے مطابق ہے اس لیے انہوں نے بلا چون و چرا قبول کر لیا ہے اور ابن عبد الہادی ان کی مدح سرائی میں اس قدر رطب اللسان ہیں جیسے ان کی تعریف سند سے بے نیاز کر دے گی۔ ایسا لگتا ہے قاضی اسماعیل کے بارے میں داؤد اصفہانی نے جو یمارک پیش کیا ہے اس پر ان کی نگاہ نہیں پڑی۔

ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ وسیلہ آدم کے سلسلہ کی ایک ہی روایت نہیں بلکہ اس سلسلہ کی متعدد روایتیں اور بھی موجود ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ ہم یہاں ان کی تفصیلات میں اس لیے جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ مذکورہ احادیث سنجیدہ اور غیر متعصب ذہن کے لیے کافی ہیں۔

(۷) ابن ماجہ نے اپنی سنن کے ”باب المشی الی الصلاۃ“ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِعَقِي  
السَّائِلِينَ عَلَيْكَ (الحدیث)

جو شخص نماز کے ارادے سے گھر سے نکلے پھر یہ کہے اے اللہ! سوال کرنے والوں کا جو تیرے اوپر حق ہے اس کے وسیلے سے میں سوال کرتا ہوں۔

شہاب بوسمری ”مصباح الزجاء فی زوائد ابن ماجہ“ میں فرماتے ہیں۔ اس سند کے راوی ضعیف ہیں..... مثلاً عطیہ، عوفی، فضیل بن مرزوق اور فضل بن موفی، یہ تینوں (یا چاروں؟) ضعیف ہیں، لیکن ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے واسطے سے حدیث روایت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رزین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن منیع نے بھی اپنی ”مسند“ میں اس طرح یہ حدیث بیان کی ہے۔ حَدَّثَنَا فَضِيلُ بْنُ مُرْزُوقٍ

اس کے بعد پوری سند اور پوری روایت ذکر کی ہے.....

علاء الدین مغلطی ”الاعلام شرح ابن ماجہ“ میں فرماتے ہیں یہ حدیث ابوعیثم، فضل ابن ذکین نے ”کتاب الصلوۃ“ میں فضیل بن مرزوق سے انہوں نے عطیہ سے عطیہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے موقوفاً روایت کی ہے۔ عطیہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے اس روایت میں تنہا نہیں بلکہ ابوالصدقؓ بھی عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور وہ ابن حبان کے

نزدیک ثقہ ہیں۔ اگرچہ ابوالفرج نے اپنی ”علل“ میں ان پر تنقید کی ہے اور ابن سنی نے ”عمل الیوم واللیلہ“ میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے..... اَللّٰهُمَّ بَحِّثِ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ

اس سند میں نہ عطیہ ہیں نہ ابن مرزوق اور نہ ہی ابن موفق ہیں..... جس سے ظاہر ہو گیا کہ عطیہ ابن مرزوق اور ابن موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس کی دوسری تائیدات بھی موجود ہیں..... علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابن مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں..... اسی طرح فضل بن دکیں، ابن فضیل اور سلیمان بن حبان وغیرہم نے بھی ابن مرزوق سے روایت کی ہے۔ عطیہ پر تشیع کا الزام ہے لیکن امام ترمذی نے ان کی کئی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے..... ابن معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں۔ ابن سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں..... ابن عدی نے فرمایا ہے ان کی روایتیں صالح ہیں اور حضرت ابوسعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں، خصوصاً جبکہ اس روایت میں متابعت بھی ہے اور امام مسلم کے نزدیک ابن مرزوق کی توثیق کا پلہ بھاری ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلالؓ کے واسطے سے بھی وارد ہوئی ہے..... اس لیے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایہ اعتبار اور درجہ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہوگا، کیونکہ یہاں متابعت اور شواہد کثرت سے پائے جا رہے ہیں۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ جرح کو تعدیل پر ترجیح ہوتی ہے..... اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ قول ضعیف ہے، ثانیاً وہ بھی جرح کو تعدیل پر اس وقت ترجیح دیتے ہیں جب دونوں میں اس طرح تعارض ہو کہ دونوں کا پلہ بالکل برابر ہو۔ اس لیے جرح کی ترجیح کا معاملہ ثابت کرنے کے لیے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہاں جرح و تعدیل دونوں بالکل ہم پلہ ہیں..... اس کے بغیر مطلقاً جرح کی تقدیم کا فیصلہ صادر کرنا بہت دور کی بات ہے اور زیر بحث حدیث کو تو حافظ عراقی نے تخریج احادیث اعیاء اور حافظ ابن حجر نے ”امالی الاذکار“ میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔ اس لیے اہل بدعت کے لیے یہ گنجائش نہیں کہ وہ مذکورہ اصول کا سہارا لے کر ان ثابت شدہ احادیث کو مسترد کرنے کی جسارت کریں، جو ایسے راویوں سے



عام و خاص سالکان بارگاہ الہی کا حق خود وصول کرنا چاہتا ہے اور اللہ سے اس کا سوال کر رہا ہے۔ مکرین وسیلہ کے خیال فاسد کی حقیقت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب بعد کے الفاظ بھی پیش نظر ہوں اس جملہ کے بعد اس پر یہ جملہ معطوف ہے ”وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْنَعِي هَذَا الْخ“ کیا یہاں بھی وہ کہیں گے کہ بندہ دعا کر رہا ہے کہ میں اپنے اس چلنے کا حق مانگتا ہوں؟

مکرین اپنے خیال فاسد کی تائید کے لیے مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ سوال ہے تو کوئی مسؤل و مطلوب ہونا ضروری ہے اور حق سالکین کے علاوہ حدیث میں اور کچھ مذکور ہی نہیں جسے سوال کا مطلوب بنایا جاسکے اس لیے وہی مطلوب ہے۔

ان کی یہ بات سخت مضحکہ خیز اور نہایت خندہ انگیز ہے گویا ان کو اَنْ تُعِينَنِي مِنَ النَّارِ نظر ہی نہیں آتا۔ حق سالکین اور اپنی پیادہ روی کے وسیلہ سے وہ یہی سوال کر رہا ہے کہ ”مجھے دوزخ سے پناہ دے“ میرے گناہوں کو بخش دے“..... یہ صراحت حدیث میں موجود ہے اور ”أَسْأَلُكَ“ سکرار تاکید کے لیے ہے اور تاکید کے لیے فعل کی سکرار کوئی نادر چیز نہیں۔ کلام عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں..... تو فعل اخیر سے جو مطلوب ہے وہی پہلی دونوں فعلوں سے بھی مطلوب ہے بالفرض! یہ افعال تاکید والے نہ ہوتے تو بھی یہی مفعول اخیر سب کا مفعول بن جاتا۔ اور تمام افعال کا اسے معمول بنانے میں تنازع ہوتا جو نحو اور زبان کا معروف قاعدہ ہے..... الحاصل! اس مفعول اخیر سے سابقہ افعال کا تعلق بہر تقدیر معتبر اور ملحوظ ہے۔

وسیلہ لینے کو ناجائز بنانے کے لیے کچھ لوگ یہ خیال فاسد قائم کرتے ہیں کہ غیر خدا کو بارگاہ خدا کے لیے وسیلہ بنانا غیر اللہ کی قسم کھانے کے مترادف ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے اس لیے تو سل بھی حرام ہے۔

اس خیال کے تحت تو سل کی تردید کرنے والے درحقیقت مصطفیٰ ﷺ کی تردید کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ خود سرکار مصطفیٰ علیہ التحسینہ والثناء نے ہی تو تو سل کے یہ الفاظ اور صیغے تعلیم فرمائے ہیں اور غیر خدا سے وسیلہ لیتے ہوئے دعا اپنی امت کو بتائی ہے۔ سرکار کے بتائے ہوئے کلمات اور دعاؤں میں اشخاص کا وسیلہ موجود ہے..... افسوس کہ ان مکرین کو تو سل اور قسم کے عظیم تفاوت کی بھی تمیز نہیں۔ کہاں غیر خدا کو بارگاہ خدا میں کہاں غیر خدا کو بارگاہ خدا میں وسیلہ بنانا اور کہاں غیر خدا کی قسم کھانا؟

اس مقام پر ہم استعانت اور استغاثہ کے موضوع پر بھی مختصر گفتگو کرتے چلیں تو کوئی

حرج نہیں کیونکہ یہ موضوع بھی وسیلہ سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ بخاری کی حدیث شفاعت کے الفاظ یہ ہیں۔

اِسْتَعَاثُوا بِاَدَمَ ثُمَّ بِمُوسٰى ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
محشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے، پھر حضرت موسیٰ سے  
پھر محمد ﷺ سے فریاد کریں گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ توسل کے سلسلہ میں استعاثہ (فریاد خواہی)  
کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

رہی طبرانی کی روایت لا یتستغاث بی کے الفاظ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی  
سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں۔ ہم نے ”الاشفاق“ میں ان کا حال تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس  
کے پیش نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتی۔

اب رہی یہ حدیث ”وَإِذَا اسْتَعْنَتْ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ“ ایک تو اس حدیث کی تمام  
سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے دوسرے یہ کہ اس کا حقیقی اور مجازی معنی یہ ہوگا۔

عِنْدَ اسْتِعَاثَتِكَ بِأَيِّ مُسْتَعَانَ فَاَسْتَعِنْ بِاللّٰهِ

کسی بھی مستعان سے مدد لینے کے وقت خدا سے مدد طلب کرو۔

اس معنی کے تحت حدیث پاک سے استعانت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ  
کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعان حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور صاحب ایمان کی  
شان یہی تو ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مسبب الاسباب کو نہیں بھولتا۔

یہ دیکھیں حضرت عمرؓ کو جب انہوں نے بارش کے لیے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیا تو  
”اَللّٰهُمَّ فَاسْتَعِزْنَا“ کے الفاظ کہنا نہ بھولے اور یہی اسلامی ادب ہے۔ اگر حدیث کا یہ معنی نہ لیا  
جائے تو معنی مجازی لینا ہوگا اور متعدد آیات و احادیث کے خلاف ہوگا ساتھ ہی حدیث کا لفظ  
اِذَا (جب) کُلَّمَا (جب جب) کے معنی میں نہیں بلکہ اہل منطق کے نزدیک یہ شرطیہ مہملہ کے  
الفاظ سے ہے۔ اس کے مطابق خصم کے لیے اس سے دلیل قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔  
اس پر مزید یہ کہ خطاب بھی واحد کے لیے ہے یعنی ایک صحابی خاص کو مخاطب کر کے سرکار نے یہ  
فرمایا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ خاص لوگوں کے لیے ہے۔ ابن عباسؓ بھی ایک خاص  
بندے ہیں ایسے مقرران بارگاہ الہی کے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ حضرات مسبب الاسباب اللہ سے

مدد مانگا کریں۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

یہ استعانت آیت کے سیاق و سباق کے مطابق عبادت اور ہدایت کے سلسلہ میں ہے۔ رب تعالیٰ سے مناجات کے دوران یہی مناسب بھی ہے اگر اس کا عام اور مطلق معنی لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ بندہ کسی بھی کام میں کسی بھی غیر خدا سے مدد نہ لے جب کہ ہر شخص ہزار ہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے اس لیے آیت کے معنی مطلق کو لے کر اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہیں تو تقریباً سارے بندگان خدا کو شرک قرار دینا اور اسباب دنیا کو معطل دیکھا کر نا لازم آئے گا۔

ہمارے ایک مخلص دوست صاحب تصانیف مفیدہ علامہ شیخ محمد حسنین عدوی ماکئی نے زیر بحث موضوع وسیلہ پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں اور ان میں فکر ابن تیمیہ سے متاثر افراد کے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ ان کا انداز بیان بھی خوب ہے اور تحقیق بھی خوب ہے۔ ان کا مقام علم بالاتفاق ان لوگوں کے شیوخ المشائخ سے بھی درجوں بلند ہے۔

اصحاب قبور میں قوت سماعت قوت ادراک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے کی خاصی تفصیل محدث عبدالحی لکھنوی نے ”تذکرۃ الراشد“ میں رقم کی ہے۔

رہی یہ روایت ”وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ“ محققین کے نزدیک اس آیت میں اصحاب قبور سے مراد مشرکین ہیں..... اس مقام پر بعض دیگر تحقیقات بھی ہیں لہذا کسی کو کسی طرح کے مغالطے میں نہ آنا چاہیے۔

مذکورہ آیات و احادیث سے بالکل روشن ہو گیا کہ انبیاء اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہل ایمان کو مشرک گردانا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہے بعض عوام جو توسل و زیارت کے آداب کا حقد ملحوظ نہیں رکھتے ایسوں کے لیے اہل علم پر فرض ہے کہ ان کو متانت و سنجیدگی سے سمجھائیں۔ صدیوں سے امت توسل و زیارت پر کاربند رہی۔ اس کے انکار کی بدعت ابن تیمیہ حرانی نے پھیلائی۔ اس وقت کے علماء نے اس بدعت کا قلع قمع کر دیا تھا اس پر بھرپور نیکیری اور متعدد تحقیقی رد بھی لکھے..... لیکن ابن تیمیہ کی بلاؤں

سے بے خبر اس سے متاثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جا رہا ہے..... تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے اور اس تفسیر میں تصرف کرنے والے ان کے بیٹے نے اس موضوع پر بعض غلط بحثیں لکھ ڈالی ہیں۔ مذکورہ دلائل ان کی تردید کے لیے کافی ہیں۔

یہ دونوں ہی باپ بیٹے بعض مسائل میں اضطراب و انتشار کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے پڑوسیوں اور اپنے بعض اساتذہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، یہاں ان سب باتوں کی تفصیل کا موقع نہیں۔

خیر الخلق محمد رسول اللہ ﷺ سے وسیلہ لینے میں امت مسلمہ کا دستور کیا رہا ہے اس کی تفصیل کے لیے امام ابو عبد اللہ بن نعمان محمد بن موسیٰ تلمسانی مالکی متوفی ۶۸۳ھ کی کتاب ”مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِی الْمُسْتَفْهِیْنَ بِخَيْرِ الْأَنَامِ“ کا مطالعہ کیا جائے..... یہ کتاب ”دار الکتب المصریہ“ کے نوادرات سے ہے۔  
یہ تحریر انصاف پسندوں کے لیے کافی ہے۔



# مفہوم توسل

فضیلت الشیخ آفتاب علم و حکمت  
حضرت السید محمد بن علوی مالکی دامت برکاتہم العالیہ  
مکہ مکرمہ

## مفہوم توسل

بہت سے لوگ حقیقت توسل کے سلسلے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے ہم توسل صحیح کے مفہوم پر اپنا نقطہ نظر واضح کر رہے ہیں اور اس سے پہلے یہ چند حقائق بیان کئے جا رہے ہیں۔

- ۱۔ توسل دراصل باب رحمت الہی پر دستک دینے اور اللہ کی بارگاہ میں دعاء کرنے کا ایک طریقہ ہے مقصود حقیقی اللہ سمجھنا و تعالیٰ ہے اور جس کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے وہ تقرب الہی کا ایک وسیلہ اور واسطہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اعتقاد رکھنا شرک ہے۔
- ۲۔ توسل کرنے والا اپنے اس واسطہ کو محض بر بنائے محبت اختیار کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس واسطہ سے محبت ہے اور اس کا وسیلہ اسے محبوب ہے اور اگر اس توسل کرنے والے کی نظر میں یہ ربط محبت نہ ہو تو وہ اس واسطہ سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں رکھ سکتا۔
- ۳۔ اگر توسل کرنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی بارگاہ میں وہ جس شخصیت کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کے اندر بذات خود قلع و ضرر کی قدرت ہے یا اس طرح کا کوئی اعتقاد ہو تو یہ شرک ہے۔
- ۴۔ توسل کوئی لازم یا ضروری چیز نہیں ہے۔ اور مقبولیت دعاء اسی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ مطلقاً اللہ سے دعاء کی جائے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (بقرہ- ۱۸۶)

اور جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔

قُلْ اذْعُبُوا اللّٰهَ اَوْ اذْعُبُوا الرَّحْمٰنَ اَيَّامًا تَدْعُوْا فَلَهُمُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

(اسراء- ۱۱۰)

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا الرحمن کہہ کر پکارو جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

## متفق علیہ توسل

اللہ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ سے توسل کے جواز و استحباب کے بارے میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔ جو شخص بھی نماز پڑھتا ہے یا روزے رکھتا ہے یا تلاوت قرآن کرتا ہے یا صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ وہ اپنے صوم و صلوٰۃ و تلاوت و صدقہ کو وسیلہ بناتا ہے۔ بلکہ یہ توسل حصول مقصود اور مقبولیت دعا کے لیے اتنا موثر اور زیادہ قابل اعتماد ہے کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۱ء مدفون جنۃ البقیع مدینہ منورہ) سے ایک نجدی قاضی نے مسئلہ توسل پر بحث کی اور سوال کیا کہ جواز توسل پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کیجئے۔ ضیاء مدینہ حضرت مہاجر مدنیؒ جو ایک متبحر عالم عارف باللہ متبع سنت اور عاشق رسول بھی تھے۔ مدینہ میں مرنے کی تمنا لیے پچھتر سال تک گنبد خضراء کی چھاؤں میں باب مجیدی نزد مسجد نبوی مدینہ طیبہ کے اندر عشق و ایمان کی محفل سجاتے رہے اور سو سال سے زائد عمر پاکر خاک مدینہ کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے محو استراحت ہو گئے۔ انہوں نے جواز توسل کی یہ قرآنی دلیل پیش کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ. (الایۃ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

نجدی قاضی نے کہا۔ اس میں اعمال صالحہ کا وسیلہ مراد ہے۔

حضرت مدنی نے برجستہ سوال فرمایا۔ ہمارے اعمال مقبول ہیں یا مردود؟ یہ سوال سن کر وہ مبہوت ہو گیا اور کہنے لگا کہ اعمال مقبول بھی ہو سکتے ہیں مردود بھی اس لیے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

حضرت مدنی نے پھر سوال فرمایا۔ اللہ کے رسول حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں یا نہیں؟

اس نجدی قاضی نے جواب دیا۔ یقیناً وہ بارگاہ الہی میں مقبول ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اعمال صالحہ جن کی مقبولیت مشکوک ہے ان کا وسیلہ اس آیت کی روشنی میں جائز ہے تو پھر سید عالم ﷺ کا وسیلہ کیوں جائز نہیں جو بارگاہ الہی میں یقیناً قطعاً مقبول ہیں؟

یہ واقعہ میں نے باب مجیدی مدینہ منورہ میں حضرت مدنی کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا فضل الرحمن قادری مدنی سے ۱۹۸۳ء میں خود سنا ہے۔ (س اختر مصباحی)

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں تین افراد کا یہ واقعہ مذکور ہے۔

تین آدمی غار کے اندر تھے۔ اوپر سے غار بند ہو گیا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک نے والدین کے ساتھ اپنے حسن سلوک اور نیکی کو وسیلہ بنایا۔

دوسرے شخص نے بدکرداری پر قدرت رکھنے کے باوجود اس سے دور رہنے کو اپنا وسیلہ بنایا۔ تیسرے نے اپنی امانت و دیانت کو وسیلہ بنایا۔ اور رب کائنات نے ان کی یہ مشکل آسان فرمادی۔ (صحیح بخاری)

اس توسل کو شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب بالخصوص قاعدا جلیلة فی التوسل والوسيلة میں دلائل اور تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

## اختلاف کی بنیاد

اختلاف کی بنیاد یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ توسل کرنے والا اپنے عمل کے علاوہ کسی اور سے توسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

مثلاً ذوات و شخصیات کو وسیلہ بنا کر یہ کہنا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔ یا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔ کچھ لوگ اس وسیلہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

مخالفین کا یہ اختلاف جوہری نہیں بلکہ محض صورت ہے۔ اس لیے کہ ذات کا توسل درحقیقت اس کے اپنے عمل کا توسل ہے۔ اور عمل کے توسل پر سب کا اتفاق ہے۔

اگر ماعین توسل دقت نظر اور بصیرت کے ساتھ مسئلہ توسل پر غور کریں تو ان کو اصل حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی۔ ان کا اشکال رفع ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں پر شرک و کفر ایسی کا حکم لگانے والا فتنہ ختم ہو جائے گا۔



میں ابھی بیان کروں گا کہ دوسروں سے توسل کرنے والا شخص درحقیقت اپنے ہی عمل سے توسل کر رہا ہے اور وہ عمل خود اس کا اکتسابی ہے۔

غور کیجئے! جو شخص دوسرے شخص سے توسل کر رہا ہے اس کے یہ وجوہ ہو سکتے ہیں۔

توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے وہ اس کے حسن ظن کے مطابق نیک ہے، ولی ہے، صاحب فضل و شرف ہے۔

یا توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے اسے اللہ عز و جل سے محبت ہے اور اللہ کی راہ میں شب و روز نیک کام کر رہا ہے۔

یا توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے اسے اللہ کے یہاں درجہ محبوبیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَہُ اللہ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یا توسل کرنے والا شخص جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کے بارے میں مذکورہ تمام امور کا اعتقاد رکھنے والا ہے۔

تذکرہ سے کام لیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ توسل کرنے والے شخص کا دل جو اس بات پر مطمئن ہے کہ وہ جسے اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہے وہ اللہ کا محب یا محبوب ہے یا اسے یہ دونوں درجے حاصل ہیں۔ یہ محبت اور ایسا اعتقاد خود توسل کرنے والے شخص کا عمل خیر ہے جو اس کی طرف منسوب ہے۔ وہ خود اس کا مسئول ہے اور اسے ہی اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔ گویا توسل کرنے والا شخص بارگاہ الہی میں اپنا یہ عریضہ پیش کر رہا ہے۔

اے میرے رب! میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ وہ تجھ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ دل سے تیری طرف متوجہ ہے اور تیری راہ میں روز و شب لگا ہوا ہے۔ اور

میرا اعتقاد ہے کہ تو بھی اسے محبوب رکھتا ہے اور اس سے راضی ہے۔ اس لیے میں اپنی اس محبت و اعتقاد کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہا ہوں کہ تو میری فلاں مراد پوری فرما۔

اکثر توسل کرنے والے اس ترتیب کی اس بنیاد پر اور اس وجہ سے تصریح نہیں کر پاتے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی دعاء اس بارگاہ میں ہو رہی ہے جس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر اشارہ چشم اور راز قلب سے خوب واقف ہے۔  
توسل کے یہ دونوں طریقے اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں۔

اے اللہ! میں تیری نبی کو وسیلہ بنارہا ہوں۔ یا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تیرے نبی کے ساتھ اپنی محبت کو وسیلہ بنارہا ہوں۔

اس لئے کہ پہلی شکل میں اس کا توسل اسی لیے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ اگر یہ ایمان و محبت نہ ہو تو وہ توسل ہی نہ کرے۔

دوسرے انبیاء و اولیاء و صالحین و ابرار کے ساتھ توسل کرنے کی حقیقت کے بارے میں بھی یہی بات کہی جائے گی۔

## دلائل توسل

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (مائدہ-۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

تعریف وسیلہ! ہر وہ چیز جسے اللہ نے اپنے تقرب کا سبب اور ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ بنایا ہو۔

مدار وسیلہ! اللہ کی بارگاہ میں اس وسیلہ کی کچھ قدر و منزلت ہو۔

آیت کے اندر وسیلہ عام ہے۔ ذوات و شخصیات و اعمال صالحہ دونوں کو شامل ہے۔ انبیاء و صالحین و اولیاء امت سے ان کی حیات میں یا بعد الممات توسل ہو یا شرعی طریقہ پر انجام دیئے گئے اعمال صالحہ سے توسل ہو۔ یہ دونوں طریقے نہ صرف جائز بلکہ مامور و مشروع ہیں۔

آئندہ صفحات میں جو احادیث و آثار درج کی جا رہی ہیں۔ انہیں دلجمعی کے ساتھ پڑھئے تو یہ عموم توسل ظاہر ہو جائے گا اور آپ دیکھ لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہر جگہ اور ہر وقت ثابت ہے۔

تخلیق سے پہلے ولادت کے بعد موت کے بعد مدت برزخ، یوم نشرو حشر ہر دور اور ہر زمانہ میں آپ سے توسل کیا گیا اور کیا جاتا رہے گا۔

## توسل بالنبی الکریم (ﷺ)

نبی کریم سے ابوالبشر آدم کا توسل: حدیث میں وارد ہے کہ آدم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا۔ چنانچہ حاکم نے المستدرک میں لکھا۔

ہم سے ابوسعید عمر بن محمد بن منصور العدل نے ان سے ابوالحسن محمد بن اسحاق بن ابراہیم الحظلی نے ان سے ابوالحارث عبداللہ بن مسلم القہری نے ان سے اسمعیل بن مسلمہ نے حدیث بیان کی۔ ان سے عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے ان کے دادا نے ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. لما اقترف ادم الخطيئة قال يا رب : اسالك بحق محمد لما غفرت لي. فقال الله يا ادم وكيف عرفت محمدا ولم اخلقه؟ قال يا رب لانك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحي رفعت راسي فرائيت على قوائم العرش مكتوبا لا اله الا الله محمد رسول الله. فعلمت انك لم تصنف الي اسمك الا احب الخلق اليك. فقال الله صدقت يا ادم انه لاحب الخلق الي. ادعني بحقه فقد غفرت لك. ولولا محمد ما خلقتك

اخرجه الحاكم في المستدرک و صححه ج ۲. ص ۶۵۱. وراه الحافظ السيوطي في الخصائص النبوية و صحه. ورواه البيهقي في دلائل النبوة وهو لا يروى الموضوعات كما صرح بذلك في مقدمة كتابه و صححه ايضا القسطلاني

والزرقانی فی المواہب اللدنیۃ ۲ ص ۶۲ والسبکی فی شفاء  
المقام. قال الحافظ الہیثمی : رواہ الطبرانی فی الاوسط وفيہ  
من لم اعرہم. مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی  
تو عرض کیا اے رب! میں بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ سے اپنی مغفرت کی دعا کرتا  
ہوں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ انہیں تو میں  
نے پیدا بھی نہیں کیا ہے۔

آدم نے عرض کیا۔ اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے  
دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے  
ستونوں پر یہ لکھا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بس میں سمجھ گیا کہ تو نے  
اپنے نام کے ساتھ اپنے سب سے محبوب بندے کا ہی نام منسلک کر رکھا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ میرے سب سے محبوب بندے  
ہیں۔ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے دعا کرو تمہیں بخش دیا جائے گا۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں  
تمہیں نہ پیدا کرتا۔

ابن عباس سے مروی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فلولا محمد ما خلقت آدم والا الجنة والا النار.

رواہ الحاکم فی المستدرک ۲ ص ۲۵۱ وقال صحیح  
الاسناد. وصحہ شیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ. ورواہ ایضا  
الشیخ ابن الجوزی فی الموفی فی اول کتابہ. ونقلہ ابن کثیر فی  
البدایۃ ج ۱ ص ۱۸۰)

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو اور نہ ہی جنت و دوزخ کو پیدا فرماتا۔

بعض علماء نے اس سلسلے میں اختلاف کیا ہے۔ درجہ حدیث پر کلام کر کے اسے ناقابل قبول اور موضوع قرار دیا ہے۔ ایسے علماء میں حافظ ذہبی وغیرہ ہیں۔ بعض نے اسے ضعیف حدیث قرار دیا ہے۔ بعض نے اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے۔ ان باتوں سے ظاہر یہ ہے کہ علماء کی رائیں مختلف ہیں کسی ایک حکم پر اتفاق نہیں۔ درجہ حدیث میں اس اختلاف کی وجہ سے اس مسئلہ کے اثبات و نفی رد و قبول اور توقف پر بحث چلتی رہتی ہے۔

لیکن یہ بات سند اور ثبوت حدیث کے اعتبار سے ہے۔ رہ گئی بات اس کے مفہوم و معنی کی تو یہاں شیخ ابن تیمیہ کی باتیں آپ سن لیجئے۔

### شیخ ابن تیمیہ کا موقف

اس موضوع پر شیخ ابن تیمیہ نے ان دو حدیثوں کی روایت بیان کر کے ان سے استشہاد کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔

ابوالفرح ابن الجوزی نے میسرہ تک اپنی سند کی روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ کب نبی ہوئے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

لما خلق الله الارض واستوى الى السماء فسواهن سبع سموات. و خلق العرش كتب على ساق العرش محمد رسول الله خاتم الانبياء. و خلق الله الجنة التي اسكنها ادم و حوا. فكتب اسمي على الابواب والاوراق والقباب والخيام و ادم بين الروح والجسد. فلما احياء الله تعالى نظر الى العرش فرأى

اسمى فاعبره الله انه سيد ولدك فلما غرهما الشيطان تابا و  
استشفعا باسمى اليه.

اللہ نے جب زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کا قصد فرمایا تو اسے برابر سات آسمان بنائے اور عرش پیدا فرمایا۔ ساق عرش پر اس نے لکھا۔ محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء اور اللہ نے وہ جنت پیدا فرمائی جس میں آدم دھوا کو رکھا تو میرا نام اس کے دروازوں، چٹوں، قبوں اور خیموں پر لکھا۔ اس وقت آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔ اللہ نے جب ان کے اندر روح ڈالی تو انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو میرا نام دیکھا۔ پھر اللہ نے انہیں بتلادیا کہ یہ تیری اولاد کے سردار ہیں۔ اس کے بعد جب شیطان نے دونوں کو لغزش میں ڈال دیا تو ان دونوں نے توبہ کیا اور اللہ کے دربار میں میرا نام لے کر اپنی بخشش کی دعا کی۔

اور ابو نعیم الحافظ نے دلائل النبوة میں روایت بیان کی۔ بطریق شیخ ابوالفرج ہم سے سلیمان بن احمد نے ان سے احمد بن رشید نے ان سے احمد بن سعید القہری نے ان سے عبد اللہ بن اسماعیل المدنی نے ان سے عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے ان سے ان کے باپ نے ان سے عمر بن خطاب نے حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لما اصاب ادم الخطيئة رفع رأسه فقال. يارب. بحق محمد  
الاغفرت لى. فادعى اليه و ما محمد و من محمد؟ فقال يارب  
انك لما اتممت خلقت رفعت رأسى الى عرشك فاذا عليه  
مكتوب لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت انه اكرم خلقك  
عليك اذ قرنت اسمه مع اسمك فقال نعم. قد غفرت لك  
وهو آخر الانبياء من ذريتك و لولاه ما خلقتك.

جب آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا اے رب! بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مغفرت فرما۔ تو ان سے پوچھا گیا کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ کیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟

آدم نے عرض کیا۔ اے رب! جب تو نے میری مکمل تخلیق فرمائی تو میں نے اپنا سر عرش کی طرف اٹھایا۔ اور اس پر میں نے یہ لکھا پایا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

بس میں نے جان لیا کہ وہ تیرے سب سے اچھے اور صاحب شرف بندے ہیں اسی لیے تو نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ رب نے فرمایا ہاں! میں نے تجھے بخش دیا۔ وہ تیری نسل میں سب سے آخری نبی ہیں۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔

یہ حدیث پہلی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تشریح کی طرح۔ من الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۰ للشیخ ابن تیمیہ۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مذکور شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک لائق اعتبار و اشتہاد ہے۔ کیوں کہ حدیث موضوع یا باطل محدثین کے نزدیک قابل استہزاء نہیں۔ اور یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے حدیث مذکور سے تشریح پر استہزاء کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے توازن کے ساتھ اس مسئلے پر بہت عمدہ کلام کیا ہے۔ انہوں نے اس وقت کے اپنے علم کے مطابق اس معنی کی کسی حدیث نبوی کے وجود کا اگرچہ انکار کیا ہے مگر پھر پلٹ کر معنی کی تائید کی اور اس کی معقول توضیح و تشریح کی۔ اور اس میں ثابت کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہ وجود عالم و آدم و باعث تخلیق و آسمان کہنا صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے اس قول میں ان لوگوں کا ردِ بلیغ ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسا



کہنا شرک یا کفر ہے یا یہ معنی فاسد و باطل ہے۔ یا اس سے مقام توحید و تہذیبہ پر کچھ حرف آتا ہے۔ ایسا گمان کرنے والوں کا گمان محض ہوا و ہوس، اندھا پن، کج فہمی اور کوتاہ عقلی ہے۔ اللہ ہماری بصیرت کو روشن کرے۔ ہمیں حق و صواب پر چلائے و ہو الہادی الی سواء السبیل۔

شیخ ابن تیمیہ نے فتاویٰ ج ۱۱ ص ۹۶ پر کہا۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سید اولاد آدم اور اللہ کے نزدیک ساری مخلوقات میں سب سے افضل و اکرم ہیں۔

اسی لئے کہنے والوں نے کہا ہے۔ اللہ نے آپ ہی کی وجہ سے عالم کی تخلیق فرمائی۔ یا یہ کہا کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ عرش پیدا کرتا نہ کرسی نہ آسمان نہ زمین نہ مٹس و قمر۔

لیکن یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ نہ صحیح نہ ضعیف۔ اور محدثین میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت نہیں نقل کی ہے۔ اور یہ آثار صحابہ میں سے بھی نہیں۔ اس کے کہنے والے کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کا یہ کلام ہے۔ البتہ اس کی صحیح توجیہ ممکن ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (حاشیہ۔ ۱۳)

اللہ نے اپنے حکم سے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِی الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ  
سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ذَاتَ بَيْنٍ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ  
وَأَنَّا كُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعْلُوا نِعْمَةً اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا.

(ابراہیم ۳۳-۳۷)

اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اللہ کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لیے ندیاں مسخر کیں۔ اور تمہارے لیے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لئے رات اور دن مسخر کئے اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو۔

اسی طرح کی دوسری آیات جن میں بیان کیا گیا ہے کہ ساری مخلوقات کی تخلیق اولاد آدم کے لئے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ان مخلوقات کی تخلیق میں اس نے بڑی دوسری عظیم حکمتیں بھی پوشیدہ ہیں۔ لیکن ان کے اندر جو منافع اور نعمتیں ہیں وہ سب بنی آدم کے لیے بیان کی گئیں۔

جب یہ کہا جائے فلاں کام فلاں وجہ سے ہوا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کوئی دوسری حکمت نہیں۔ اسی طرح کہنے والے کا یہ کہنا کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو فلاں نہ پیدا کیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں دوسری بڑی حکمتیں نہیں ہیں۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد آدم میں افضل صالحین ہیں اور آپ کی تخلیق ایسی غایت مطلوبہ اور حکمت بالغہ ہے جو دوسروں سے بڑھ کر ہے تو ساری تخلیقات اور نہایت کمال کا حصول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوا۔

(فتاویٰ شیخ ابن تیمیہ)

### دخول جنت اور فضیلت اسم محمد (ﷺ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو خصوصی فضل و کرم ہے اس کی ایک مثال وہ حدیث مبارک ہے جس میں وارد ہے کہ جنت انبیاء کرام پر اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہ ہو جائیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔

جنت انبیاء پر حرام ہے اور امتوں پر حرام ہے جب تک میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الہیثمی اسنادہ حسن۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۹)

آپ پر اللہ کے خصوصی فضل کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ کا اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم طاء اعلیٰ میں مشہور معروف ہے۔

کعب احبار کہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام نے شیث علیہ السلام سے ارشاد فرمایا۔ میرے بیٹے اتم میرے بعد میرے خلیفہ ہو تو اسے بناء تقویٰ اور مضبوط سہارا بناؤ۔ اور جب بھی اللہ کو یاد کرو اس کے ساتھ محمد (ﷺ) کا نام بھی لو۔ میں نے ان کا نام ساقی عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور اس وقت میں روح و آب و گل کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کی سیر کی تو وہاں ہر جگہ نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا۔ اور مجھے میرے رب نے جنت میں رکھا تو جنت کے ہر محل اور کمرہ پر نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا۔ حوروں کے گلے پر جنت کے درختوں کے پتوں پر شجر طوبی کے پتوں پر سدرۃ المنتہی کے پتوں پر۔ پردوں کے کناروں پر ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا۔ اس لیے انہیں خوب یاد کرو ملائکہ ہر وقت ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اھ۔

المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۸۶۔ قال الزرقانی فی شرحہ رواہ

ابن عساکر۔

شیخ ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسی طرح بیان کیا ہے اور کہا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر جنت کے ابواب و قیوں اور پتوں پر نام محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہے۔

اس سلسلے میں اور کئی آثار کی روایت ہے جو ان احادیث ثابتہ کے مطابق ہیں جن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام اور آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی کا روشن بیان ہے۔ اور ابن الجوزی نے میسرہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ کب نبی ہوئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ لما خلق الله الارض واستوى الى السماء الخ. الفتاوى ج ۲ ص ۱۵۰۔

فتاویٰ شیخ ابن تیمیہ سے منقول یہ پوری حدیث ابھی چند سطور پہلے گزری۔

### حدیث توسل آدم کے فوائد اور حاصل بحث

یہ حدیث ابھی بیان کی گئی کہ اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے ہی آدم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ صحت توسل کا مدار یہ ہے کہ جسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے اسے اللہ عز و جل کی بارگاہ میں قدرت و منزلت حاصل ہو۔ اور اس توسل میں اس کی کوئی شرط نہیں کہ وہ اس دنیا میں موجود ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ توسل اسی وقت جائز ہے جب وسیلہ بنایا جانے والا شخص اس دنیا میں زندہ ہو۔ ان کی یہ رائے اللہ کی ہدایت سے خالی اور محض اتباع نفس ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء ائمہ و حفاظ حدیث مثلاً حاکم و سیوطی و سبکی و بلقینی جو سنت نبوی کے امین اور عالی مرتبت مشہور شخصیات ہیں انہوں نے حدیث توسل آدم کو نقل کیا ہے۔ و صححہ۔

بیہقی جو موضوعات نقل نہیں کرتے اور جن کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ علیک بہ فانہ کلمہ ہدی و نور۔ اس امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ کذا فی شرح المواہب وغیرہ۔

اسے ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس سے استشہاد کیا ہے۔

کچھ علماء کا اسے قبول کرنا اور کچھ کا رد کر دینا کوئی ایسی نادربات نہیں ہے۔ بہت سی احادیث نبویہ میں اس سے زیادہ اختلاف واقع ہوا ہے اور اس سے زیادہ ان پر نقد و جرح بھی ہے۔

اور اسی اختلاف کی وجہ سے حدیث کے موضوع پر ضخیم کتابیں بھی تالیف کی گئیں۔ جن میں استدالات و تعقبات و مراجعات و مواخذات سب ہیں۔

لیکن کسی حدیث کے درجہ و سند میں اختلاف کے باوجود ائمہ ایمان سے خارج کرنے اور شرک و کفر و گمراہی کا حکم لگانے کام نہیں ہوا۔ اس حدیث کو بھی اسی طرح کی احادیث میں شمار کر لینا چاہیے۔

توسل یہود بالنبی الکریم (ﷺ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ. (بقرہ۔ ۸۹)

اور جب ان کے پاس وہ کتاب (قرآن) اللہ کی آئی جو ان کے پاس والی کتاب (توریت) کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس سے پہلے وہ اس نبی (خاتم) کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ تو جب جانا پہچانا نبی ان کے پاس آیا تو اس سے منکر ہو گئے۔ منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا۔

ولما جاءهم. یعنی یہود۔ کتاب۔ یعنی قرآن۔ من عند الله مصدق.

کتاب کی صفت ہے۔ اور غیر قرآن میں برہنائے حالت نصب جائز ہے۔ مصحف ابی میں نصب کے ساتھ ہی مروی ہے۔ **لَمَّا مَعَهُم**۔ یعنی نصرت و مدد چاہتے تھے۔ افتتاح اسٹھمار کو کہتے ہیں افتتاح بمعنی استنصرت ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکین مہاجرین سے افتتاح کرتے تھے۔ یعنی ان کی نماز و دعاء سے مدد چاہتے تھے۔

اور یہ بھی ہے۔ اللہ جلد ہی فتح دے گا یا اس کے پاس سے کوئی حکم آئے گا۔ نصر۔ کسی بند چڑ کو کھولنا۔ جیسے اہل عرب کا قول ہے۔ فتحت الباب۔ میں نے دروازہ کھولا۔ اور نسائی نے روایت نقل کی ہے۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **انما نصر الله هذه الامة بضعفائهم بدعوتهم و صلوتهم و اخلاصهم** اللہ نے اس امت کی مدد اس کے کمزور لوگوں کے ذریعہ کی ہے۔ ان کی نماز و دعاء اور ان کے اخلاص کی برکت سے۔

نسائی نے یہ بھی روایت نقل کی ہے۔ ابوالدرداء سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

**فانکم انما تنصرون و ترزقون بضعفائکم** تمہارے کمزوروں کے ذریعہ تمہاری نصرت ہوتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

ابن عباس نے کہا۔ خبر کے یہودیوں کی قبیلہ غطفان سے جنگ تھی۔ جنگ میں قبیلہ غطفان نے یہودیوں کو شکست دے دی تو یہودیوں نے یہ دعاء کی۔

**انا نسالک بحق النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی اخر الزمان ان تنصرنا علیہم**۔

جنگ کے وقت اس دعاء توسل کی برکت ہے یہودیوں نے قبیلہ غطفان کو

نکلت دے دی۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے کفر و انکار کیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وکانوا من قبل يستفحون علی الذین کفروا۔ یعنی تم سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! الی قولہ۔ فللعنة الله علی الکافرین (تفسیر القطبی ج ۲ ص ۲۶ و ص ۲۷)

### توسل بالنبی ورحیات وبعث وصال

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ ایک نابینا شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں اور مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وضو خانہ جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو۔

اللهم انی اسألك و اتوجه الیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه الی ربک فیجلی لی عن بصری۔  
اللهم شفعه فی و شفعی فی نفسی

اے اللہ! میں تجھ سے دعاء کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے صدقہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے وسیلہ سے تیرے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں کہ وہ میری آنکھ روشن کر دے۔

اے اللہ! میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما اور میرے حق میں میری دعا و سفارش قبول فرما۔

عثمان بن حنیف کہتے ہیں واللہ ہم ابھی جدا نہیں ہوئے تھے نہ کوئی لمبی بات ہی ہم نے ابھی کی تھی کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس اس طرح آیا جیسے وہ کبھی نابینا ہی نہیں تھا۔

قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد ولم يعرجاه. وقال  
الذهبي عن الحديث انه صحيح ج ١ ص ٥١٩. وقال الترمذی هذا  
حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه. من حديث ابي  
جعفر وهو غير الحطمي. ذكره في اخر السنن في ابواب الدعوات. قال  
الحندري ورواه ايضا النسائي و ابن ماجه و ابن خزيمة في صحيحه. كذا  
في الترغيب كتاب النوافل باب الترغيب في صلوة الحاجة ج ١ ص  
٤٣٨.

یہ تو سل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ یہ  
سیخہ تو سل بعض صحابہ کرام نے آپ کے وصال کے بعد بھی استعمال کیا ہے۔  
طبرانی نے مذکورہ حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے شروع میں ایک واقعہ نقل  
کیا ہے جو یہ ہے۔

ایک شخص دربار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں کئی بار آیا گیا لیکن آپ کی اس کی  
طرف نہ توجہ ہو سکی نہ اس کی ضرورت پوری ہوئی۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے مل کر  
اپنا یہ ماجرا سنایا۔

عثمان بن حنیف نے اس سے کہا۔ تم وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں دو رکعت  
نماز پڑھو اس کے بعد یہ دعاء کر کے عرض حاجت کرو۔

اللهم انی اسألك واتوجه الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم نبی الرحمة. یا محمد انی اتوجه بک الی ربک فیقضی حاجتی.  
اس شخص نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ پھر دربار عثمان بن عفان میں حاضر ہوا۔  
دربان اس کے قریب آیا اور اس نے ہاتھ پکڑا کہ اس شخص کو عثمان بن عفان کے پاس پہنچا



دیا۔ آپ نے اسے فرش پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے پتی حاجت کا ذکر کیا جسے آپ نے پوری کر دیا اور فرمایا تم نے ابھی اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے۔ اب کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آ جانا۔

وہ شخص آپ کے پاس سے نکل کر عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور ان سے مل کر اس نے کہا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ نہ میری طرف توجہ کی جاتی تھی نہ میری حاجت پوری کی جاتی تھی۔ آپ کی سفارش سے اب کام ہوا۔

عثمان بن حنیف نے کہا۔ واللہ! میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ جب ان کے پاس ایک نابینا شخص نے آ کر اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی تو آپ نے اس سے ارشاد فرمایا۔

کیا تم صبر کرو گے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ وضو خانہ جا کر وضو کرو۔ دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا کرو۔

عثمان بن حنیف نے کہا۔ واللہ! ہم ابھی نہ جدا ہوئے تھے نہ کوئی لمبی بات ہوئی اتنے میں وہ شخص اس طرح آیا گویا وہ کبھی نابینا نہیں تھا۔

قال المنذرى رواه الطبرانى وقال بعد ذكره والحديث صحيح.

كذا فى الترغيب ج ١ ص ٣٣٠ وكذا فى مجمع الزوائد ج ٢

ص ٢٤٩.

وقال الشيخ ابن تيمية قال الطبرانى روى هذا الحديث شعبة عن

ابى جعفر واسمه عمر بن يزيد و هو ثقة تفرد به عثمان بن عمر

عن شعبة. قال ابو عبد الله المقدسى والحديث صحيح.

قلت قال الشيخ ابن تيمية ذكر تفردة بمبلغ علمه . ولم تبلغه

رواية روح بن عبادہ عن شعبة و ذلك اسناد صحيح بين انه لم

ينفرد به عثمان بن عمر . الا التوسل والوسيلة ص ۱۰۱ .

اس سے ظاہر ہے کہ حافظ طبرانی و حافظ ابو عبد اللہ المقدسی نے اسے حدیث صحیح کہا

اور اس صحیح کو حافظ منذری و حافظ نور الدین ایبھی اور شیخ ابن تیمیہ نے نقل کیا۔

حاصل واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی اور اس واقعہ کے گواہ عثمان بن حنیف

نے خلیفہ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکنے اور اپنے مقصد میں

کامیاب نہ ہو سکنے والے شخص کی شکایت پر اسے یہ دعا سکھائی جس میں وصال کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل و نداء و استغاثہ سب ایک ساتھ ہے۔

اور جب اس شخص کا یہ خیال سامنے آیا کہ خلیفہ المسلمین کے ساتھ عثمان بن

حنیف کی کسی گفتگو کے نتیجے میں اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے تو عثمان بن حنیف نے قسم کھا

کر یہ کہا کہ خلیفہ کے ساتھ ان کی کوئی ایسی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور اس کے خیال کی تردید کے

لیے وہ واقعہ اس سے بیان کیا جسے انہوں نے خود دیکھا اور سنا تھا تا کہ ثابت اور واضح ہو

جائے کہ اس کی ضرورت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل و نداء اور استغاثہ کی

برکت سے پوری ہوئی۔

میدان محشر میں وسیلہ رسول ﷺ

عرصہ محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں زیادہ باتیں

کرنے کی یہاں ضرورت نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ کیوں کہ احادیث شفاعت حد تو اترو کو پہنچی

ہوئی ہیں اور نصوص صریحہ سے معلوم ہے کہ جب الہی قیامت پر ایک طویل وقت گزر جائے

گا اور ان کے مصائب ناقابل برداشت ہو جائیں گے تو اپنی مشکل کشائی کے لیے وہ انبیاء و

مرسلین سے استغاثہ کریں گے۔ حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس استغاثہ کرتے ہوئے پہنچیں گے یہ حضرات انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے۔ وہ آپ کی خدمت میں استغاثہ کے لیے پہنچیں گے تو آپ فوراً ان کی مدد فرمائیں گے اور ارشاد فرمائیں گے اِنَا لَهَا اَنَا لَهَا پھر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھائیں گے جب تک انہیں یہ ندانہ دی جائے گی کہ اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

یہ انبیاء و مرسلین اور تمام مومنین کا اجماع ہے اور رب العالمین کی طرف سے اس کی تائید ہے کہ شدائد و مصائب کے وقت مقررین بارگاہ الہی سے استغاثہ کرنا حل مشکلات کی سب سے بڑی کنجی اور رب الغلین کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

### مسلك شيخ ابن تيمية کے مطابق جواز توسل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة میں لکھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کی طلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی اتباع ہی سے ہوتی ہے۔ آپ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کا توسل ہر شخص پر ہر طاہری باطنی حالت میں بحیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بعد ممات حضور و غیبت ہر شکل میں فرض ہے۔ کسی بھی مخلوق پر حجت قائم ہو جانے کے بعد کسی حال میں آپ پر ایمان و اطاعت کے توسل کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا اور اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

اللہ کی بارگاہ سے حصول رحمت و کرم اور اس کے عذاب سے نجات کے لیے شفیع الخلائق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور آپ کی اطاعت کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب مقام محمود و جدر شک اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کی

بارگاہ میں سب سے عظیم القدر اور عالی مرتبت شفیع ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبھی انبیاء و مرسلین سے جاہ و منزلت میں عظیم تر ہیں۔ لیکن آپ کی دعاء و شفاعت سے وہی نفع و فیض پائے گا جس کے لیے آپ دعاء و شفاعت فرمائیں گے۔ اور جس کے لیے آپ دعاء و شفاعت فرمائیں گے اس کے لیے اپنی اس دعاء و شفاعت کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے جس طرح صحابہ کرام آپ کی دعاء و شفاعت کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ اور قیامت کے دن سبھی لوگ آپ کی دعاء و شفاعت کو وسیلہ بنائیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم۔ (قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلۃ للشیخ ابن تیمیہ)

شیخ ابن تیمیہ سے ایک استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب: الحمد للہ! آپ پر ایمان لانے، آپ سے محبت رکھنے، آپ کی اتباع کرنے آپ پر درود و سلام بھیجنے اور آپ کی دعاء و شفاعت وغیرہ جو آپ کے افعال اور آپ کے حق میں جائز افعال ہیں ان سب سے توسل کے جواز پر ساری امت کا اجماع ہے۔ الفتاویٰ الکبریٰ للشیخ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۴۰.

شیخ ابن تیمیہ کے کلام سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرنے والے آپ سے محبت رکھنے والے اور آپ کی شفاعت کی تصدیق کرنے والے مسلمان کے لیے آپ کی اطاعت و محبت و تصدیق سے توسل جائز ہے۔

ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرتے ہیں تو آپ پر ایمان لانے آپ سے محبت رکھنے اور آپ کے فضل و شرف ہی سے توسل کرتے ہیں۔ اور آپ سے توسل کرنے والے کسی مسلمان کا اس کے علاوہ کوئی تصور نہیں ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی اس کی صراحت توسل کے وقت ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہو پاتی۔ صراحت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ توسل کے مقصود اصلی پر اس کا یہ اعتماد ہوتا ہے کہ یہاں ایمان بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل اس کا اصل مقصود ہے۔

۲۔ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی ہے اس دعا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنانا صحیح ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے دعا فرمائی ہے جس کا ثبوت بہت ساری احادیث نبوی سے ملتا ہے مثلاً

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاش بشاش دیکھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعاء کیجئے تو آپ نے یہ دعا کی۔

اے اللہ عائشہ کے اگلے پچھلے ظاہری و باطنی گناہ بخش دے۔

تو حضرت عائشہ کو ہنسی آئی۔ ان کا سر ہنسی کی وجہ سے گود میں آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میری دعاء سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا آپ کی دعاء سے کیوں نہ خوشی ہوگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ انہا لدعائی لامتی لی کل صلوة۔ میں ہر نماز کے بعد اپنی امت کے لیے یہ دعاء کرتا ہوں۔ (رواہ البزاز و رجالہ رجال الصحیح غیر احمد بن منصور الرمادی و هو ثقة۔ کذا فی مجمع الزوائد)

اس لئے ہر مسلمان کے لئے بارگاہ الہی میں دعاء سے توسل جائز و صحیح ہے اور اسے یہ دعا کرنی چاہیے۔

اے اللہ! تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے دعاء کی ہے اور میں اس امت کا ایک فرد ہوں۔ اس لئے اس دعا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہا ہوں کہ میری مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم فرما۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کی یہ دعاء ایسی ہوگی کہ سارے علماء کے درمیان متفق علیہ مسئلہ کے مطابق ہوگی۔ اور جب یہ دعاء جائز ہے تو یہ دعا بھی جائز ہے۔

اے اللہ! میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنارہا ہوں کہ تو میری فلاں مراد پوری فرما۔

کیوں کہ وہ صرف اپنے مافی الضمیر اور اپنی نیت کی صراحت نہیں کر سکا۔ ورنہ ہر مسلمان کا واضح مقصد اور ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اسے اپنے رسول سے جو محبت و تعلق ہے۔ آپ کو جو مرتبہ اور جاہ و منصب حاصل ہے۔ جس عظمت و فضیلت کے آپ حامل ہیں اور اپنی امت کے لیے آپ کی جو دعاء و شفاعت ہے ان سب کو وہ بارگاہ الہی میں وسیلہ بنارہا ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں درود و سلام سماعت فرماتے ہیں اور سلام و استغفار کے ذریعہ اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

میری حیات و ممات دونوں تمہارے لیے بہتر ہیں۔ تم بات کرتے ہو اور تمہارے لیے بات کی جاتی ہے۔ تعرض اعمالکم علی فان وجدت خیرا

حمدت اللہ وان وجدت شراً استغفرت اللہ لکم (رواہ الحافظ اسمعیل القاضی فی جزء الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ و ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد و صححہ)

تمہارے اعمال میرے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر میں بھلائی پاتا ہوں تو حمد الہی بجالاتا ہوں اور برائی دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں اپنی امت کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اور استغفار دعاء ہی ہے جس سے امت کو نفع و فیض پہنچتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد السلام (رواہ ابو داؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ وقال النووی اسنادہ صحیح) جو شخص بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح (کی توجہ) واپس کر دیتا ہے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ اور سلام امان ہے۔ تو مسلمان کے لئے امان کی دعا ہے۔ اور اس مسلمان کو اس سے نفع و فیض پہنچتا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ کے نزدیک جوازِ توسل

شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں بعض جگہوں پر جوازِ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کیا ہے جس میں آپ کی حیات و ممات اور حضور و غیاب کی کوئی تفریق و تفصیل نہیں ہے۔ الفتاویٰ الکبریٰ میں بھی امام احمد بن حنبل اور عزالدین بن عبدالسلام سے جواز

توسل نقل کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا اسی طرح دعاء میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے حدیث صحیح کی روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعاء تعلیم فرمائی۔

اللهم انی اسألك واتوسل الیک بنیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة. یا محمد انی التوجه بک الی ربک فیجلی حاجتی ليقضیها فشفعه فی.

تو یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔ ۱ھ۔ الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۷۶ للشیخ ابن تیمیہ.

شیخ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے بارگاہ الہی میں توسل خواہ اسے استغاثہ کہا جائے یا نہ کہا جائے اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ سلف میں سے کسی نے کیا ہو۔ اس کے متعلق آثار کی بھی روایت نہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ شیخ نے اس کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنن کے اندر حدیث موجود ہے۔ نسائی و ترمذی وغیرہما کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر کہا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بینائی ضائع ہو گئی ہے آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو۔

اللهم اسألك والتوجه الیک بنیک محمد. یا محمد انی



اتشفع بک فی ردہصری اللہم شفع لہیک فی۔

اور تمہاری جو ضرورت ہو اسے پڑھ کر مانگو۔ اللہ نے اس شخص کی پینائی واپس کر دی۔

اس حدیث کی وجہ سے شیخ نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔  
اھ۔ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۵۔

ایک دوسری جگہ شیخ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا۔ اسی لئے امام احمد نے ایک منک جسے انہوں نے مروزی کے لئے لکھا ہے اس میں کہا کہ دعاء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ۔

لیکن امام احمد کے علاوہ بعض کا قول ہے یہ تو اللہ کو آپ کی قسم دیتا ہے اور اللہ کو کسی مخلوق کی قسم دینا جائز نہیں۔

امام احمد نے ایک روایت کے مطابق آپ کی قسم کو جائز کہا ہے اسی لئے آپ سے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ (الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۰)

شیخ محمد بن علی شوکانی کے نزدیک جواز توسل

محدث سلفی شیخ محمد بن علی شوکانی نے اپنے رسالہ ”الدرا النصید فی اخلاص کلمۃ التوحید“ میں لکھا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں کسی مقصد کے حصول کے لئے کسی شخص کو وسیلہ بنانے کے سلسلے میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر حدیث صحیح کی روایت ہے تو بارگاہ الہی میں صرف آپ سے توسل جائز ہے۔

شاید ان کا اشارہ سنن نسائی و ترمذی کی اس حدیث کی طرف ہے جسے ابن ماجہ وغیرہ نے حدیث صحیح مانا ہے۔ کہ ایک نابینا شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اسی انحر

المحدث. پھر کہا۔ اس سلسلے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ توسل جس کا عمر بن خطاب نے ذکر کیا ہے کہ ہم جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو کہتے۔ اے اللہ! تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بناتے جس سے تو ہمیں سیراب فرما دیتا۔ اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ یہی صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ صحابہ کرام استسقاء کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیات میں وسیلہ بناتے پھر آپ کے وصال کے بعد آپ کے چچا عباس کو وسیلہ بناتے۔ توسل استسقاء یہی ہے کہ وہ اور سب لوگ مل کر ایک ساتھ اللہ سے دعا کرتے۔ اور اس وقت وہ بارگاہ الہی میں وسیلہ ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ان کے لئے شفاعت و دعا فرماتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و ممات و حضور و غیبت میں ہر وقت آپ کا توسل جائز ہے۔

واضح رہے کہ آپ کی حیات میں آپ سے اور آپ کی وفات کے بعد دوسرے سے توسل کرنا اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ اور یہ اجماع سکوتی ہے کیوں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل پر کسی صحابی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

میرے نزدیک جواز توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ جیسا کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے خیال کے مطابق آپ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواز توسل پر صحابہ کا اجماع

ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الہی میں اہل علم و فضل کا توسل درحقیقت ان کے اعمال صالحہ و محاسن فاضلہ کا توسل ہے۔ اس لیے کہ وہ صاحب فضل و شرف اپنے اعمال ہی کی وجہ سے ہیں۔

جب کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں عالم کو وسیلہ بنا رہا ہوں تو اس کے علم و فضل ہی کی وجہ سے اسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ اور صحیحین وغیرہما کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تین لوگوں کا واقعہ بیان فرمایا جو ایک غار میں تھے اور چٹان سے اس کا منہ بند ہو گیا تھا تو ہر ایک نے اپنے سب سے بڑے اور اچھے عمل کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنایا جس کی برکت سے چٹان کھسک گئی اور ان تینوں نے نجات پائی۔ (صحیح بخاری)

اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز یا شرک ہوتا جیسا کہ توسل کے سلسلے میں تشددین کا گمان ہے مثلاً شیخ عز الدین بن عبدالسلام اور ان کے کچھ متبعین۔ تو ان تینوں کی دعاء قبول نہ ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ واقعہ بیان کر کے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں خاموش نہ رہتے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء و صلحاء کو وسیلہ بنائے جانے کے منکرین جو یہ آیات پیش کرتے ہیں۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيَقَرَّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ. (زمر-۳)

”ہم تو انہیں صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔“

فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا. (جن-۱۸)

”تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔“

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ

بَشَرِيَّة (رعد-۱۷)

”اسی کا پکارنا سچا ہے اور جو لوگ اس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے۔“

ان آیات کو تو سل بالانبياء والصالحين کے رد و انکار کے موقع پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور تو سل کے خلاف استدلال کا ان آیات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

مشرکوں کا یہ کہنا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمر-۳) اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کی ہے۔

اور عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ اس کے عالم ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک اسے ایک امتیاز اور خوبی حاصل ہے۔ اس لئے اسے وسیلہ بنا رہا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا کے اندر اللہ کے ساتھ کسی غیر کی نداء و دعاء سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے ہا لہ و بفلان اور عالم کو وسیلہ بنانے والا صرف اللہ کو پکارتا اور اس سے دعاء کرتا ہے۔ اور اس عالم کے عمل صالح کو وسیلہ بناتا ہے جیسے غار کے اندر چٹان سے چھپ جانے والے تین آدمیوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا۔

اسی طرح آیت کریمہ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ كَالْبُعِثَةِ كَالْبُعِثَةِ کے شرکوں نے جنہیں پکارا وہ ان کی پکار نہیں سن سکتے اور اپنے اس رب کو نہیں پکارا جو ان کی پکار سنتا اور ان کی دعائیں قبول کرتا۔ اور عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص صرف اللہ کو پکارتا ہے اس کے علاوہ نہ وہ کسی کو پکارتا ہے نہ اس سے دعا کرتا ہے۔

یہ حقائق جان لینے کے بعد اب اپنے بحث سے غیر متعلق دلائل دینے والے

مانعین تو سل کے اعتراضات کا جواب دینا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔ جیسے اس آیت کریمہ سے ان کا استدلال ہے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ يَوْمَ لَا تَحْمِلُكَ  
نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ. (انفطار-۱۸-۱۹)

اور تو کیا جانے کیا انصاف کا دن اور پھر تو کیا جانے کیا انصاف کا دن جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہوگا۔

اس آیت کریمہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کا حکم چلے گا اس کے علاوہ کسی دوسرے کا کوئی حکم نہیں چلے گا۔

اب جو شخص بھی کسی نبی یا عالم سے تو سل کرتا ہے اس کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ وہ جس کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کی کوئی شرکت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت کے روز ہوگی اور جس کا ایسا عقیدہ کسی نبی یا غیر نبی کے بارے میں ہو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

اسی طرح لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ. (آل عمران-۱۲۸)

یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ. (اعراف-۱۸۸)

”تم کہو میں اپنی جان کے لئے نفع و ضرر کا خود سے مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔“  
ان دونوں آیات میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے کسی امر میں دخل نہیں۔ اور وہ خود سے اپنے نفع و ضرر کے مالک نہیں تو دوسرے کے مالک کیسے ہوں گے۔

ان آیات میں آپ سے یا کسی نبی یا ولی یا عالم سے تو سل کی کوئی ممانعت نہیں۔  
اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود و مقام شفاعت کبریٰ عطا فرمایا اور مخلوق کو

اللہ نے ہدایت فرمائی کہ وہ ان سے اس کا سوال کریں طلب کریں۔ اور فرمایا اپنے رسول سے کہ مانگو تمہیں دیا جائے گا شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ اور قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ درجہ شفاعت اللہ کے اذن سے اس کے محبوبان بارگاہ ہی کو حاصل ہوگا۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے **وَالَّذِينَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** (شعراء-۲۱۳)

ترجمہ ”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“

جب اس کا نزول ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے فلاں بن فلاں میں امر الہی میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں۔ اے فلاں نہ بت فلاں میں امر الہی میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں۔

اس سے بھی مانعین تو سل غلط استدلال کرتے ہیں۔ اس میں تو صرف اس کی صراحت ہے کہ اللہ جسے نفع پہنچانا چاہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جسے نقصان پہنچانا چاہے اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اور جب وہ امر الہی میں اپنے کسی قرابت دار کے لئے کسی چیز کے مالک نہیں تو دوسروں کے لئے کیسے ہوں گے۔

یہ حقیقت تو ہر مسلمان کو معلوم ہے لیکن اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ بارگاہ الہی میں کسی کو وسیلہ نہیں بنایا جاسکتا تو سل کے ذریعہ تو دراصل اسی سے طلب امر ہے جس کے دست قدرت میں امر و نہی ہے۔

طالب تو صرف یہ چاہتا ہے کہ کوئی ایسا وسیلہ پیش کرے جو سب قبول بن جائے اس ذات باری تعالیٰ کی بارگاہ میں جو مجمع و عطاء کا تہما لک اور مالک یوم الدین ہے۔

(انتہی کلام الشوکانی)

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے نزدیک تو سل

کسی مخلوق سے استغاثہ کے عدم جواز کے ساتھ ہی یہ خیال کہ جواز تو سل نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا یہ خیال کہ توسل سبھی صالحین کے ساتھ عام ہے۔  
 اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ محمد بن عبد الوہاب نے کہا۔  
 فرق واضح اور گفتگو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ کچھ علماء صالحین توسل کی  
 رخصت دیتے ہیں۔ بعض علماء توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔  
 اور اکثر علماء اسے ممنوع و مکروہ قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک درست یہی قول ہے کہ توسل مکروہ  
 ہے۔ لیکن توسل کرنے والے پر ہم رد و انکار نہیں کرتے اور اجتہادی مسائل میں ایسا ہونا بھی  
 نہیں چاہیے۔

البتہ ہم اس شخص پر اعتراض کرتے ہیں جو کسی بھی مخلوق کو اس طرح سے پکارے  
 جیسے اللہ کو پکارا جاتا ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کی قبروں پر جا کر تضرع کرے اور ان  
 سے اپنی مشکلات کا حل یا مصائب میں مدد اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہے۔ تو ایسا شخص  
 ان لوگوں میں سے کہاں ہے جو اللہ کے دین کو خالص رکھ کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔ اس  
 کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارتے۔ لیکن اپنی دعا میں کہتے ہیں۔ تجھ سے تیرے انبیاء یا  
 رسولوں یا نیک بندوں کے وسیلہ سے مانگتے ہیں۔ یا کسی قبر معروف وغیرہ پر جا کر وہاں کوئی  
 دعا کرتے ہیں مگر اپنی دعا صرف اللہ سے کرتے ہیں تو اس توسل پر ہماری یہ بحث نہیں۔  
 (فتاویٰ الشیخ محمد بن عبد الوہاب فی مجموعة المؤلفات القسم  
 الثالث ص ۶۸ التی نشرتها جامعة الامام محمد بن سعود فیاسبوع الشیخ  
 محمد بن عبد الوہاب)

آثار نبوی ﷺ کے ساتھ توسل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت حاصل

کیا کرتے تھے۔ اور اس حصول برکت کا صرف ایک مطلب ہے کہ صحابہ کرام آثار نبوی کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے کیوں کہ توسل کا ایک ہی طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں۔

آثار نبوی کو جب صحابہ کرام وسیلہ بنایا کرتے تھے تو کیا آپ کی ذات کو وسیلہ نہیں

بناتے تھے؟

فرع کو وسیلہ بنانا صحیح ہے تو کیا اصل کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے؟

وہ آثار جنہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عظمت و شرف حاصل ہوا انہیں وسیلہ بنانا صحیح اور آپ کی ذات مبارکہ کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے؟ سب حانک ہذا بہتان عظیم۔

آثار نبوی کے ساتھ توسل کے سلسلے میں بہت سے نصوص وارد ہیں جن میں سے ہم صرف چند مشہور واقعات کا یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کی شدید خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن کئے جائیں۔ آپ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو اپنے لڑکے عبداللہ کو آپ نے اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ ادھر حضرت سیدہ عائشہ خود اپنے لئے اس قرب خاص کی متمنی تھیں۔ فرمانے لگیں۔ میں خود یہی چاہتی تھی لیکن اب اپنی خواہش پر عمر بن خطاب کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔ یہ سن کر عبداللہ اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر یہ عظیم الشان خوشخبری دیتے ہیں۔ تو عمر بن خطاب بول اٹھے۔

الحمد للہ! میری نظر میں اس سے اہم کوئی چیز نہ تھی۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونا عمر فاروق کی نظر میں کیوں سب سے محبوب اور



اہم چیز تھی؟ تو سل ہالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس کا اور کیا مطلب ہے؟ کہ بعد وفات بھی آپ کے قرب کی برکت حاصل کی جاتی رہے۔

ام سلیم کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مشکیزہ کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تو اس کٹڑے کو کاٹ کر ام سلیم نے اپنے پاس رکھ لیا۔ جس کے بارے میں حضرت انس کہتے ہیں کہ وہ کٹڑا ہمارے پاس ہی رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے سر کے بال موٹو دوائے تو صحابہ کرام وہ بال لینے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف اسماء بنت ابی بکر نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ اور اس کے بارے میں کہتی ہیں۔ ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور شفا پاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک کو آپ کے وصال کے بعد ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی نے محفوظ کر رکھا تھا۔ پھر وہ مہر کنوئیں میں گر پڑی۔

یہ ساری احادیث ثابت و صحیح ہیں۔ بحث تبرک میں ہم نے ان کا ذکر کر دیا ہے۔ یہاں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آثار نبوی کی اتنی حفاظت کیوں کی؟ مشکیزہ کا منہ، موئے مبارک، پسینہ، جبہ، مہر وغیرہ کی حفاظت کا مقصد کیا صرف بطور یادگار ہے؟ یا تاریخی آثار کے طور پر انہیں محفوظ کر کے میوزیم میں رکھنے کا کوئی منصوبہ تھا؟

اگر پہلی صورت مد نظر تھی تو ابتلاء و مرض کے وقت بارگاہ الہی میں دعا کرتے ہوئے ان آثار مبارک کے ساتھ اتنی توجہ اور دلچسپی کیوں تھی؟ اور دوسری صورت میں وہ میوزیم کہاں ہے؟ اور ان کے دل میں ایسا نیا خیال کیوں اور کیسے آیا؟ مباحثہ ہذا بہتان عظیم۔

حق یہ ہے کہ ان آثار نبوی سے صحابہ کرام برکت حاصل کرتے تھے۔ اللہ کی

بارگاہ میں انہیں وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ دینے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ اور وہی مرجع و مسئول ہے اور سب کے سب اس کے بندے اور اس کے محکوم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ عز و جل کے اذن کے بغیر اپنے اور دوسروں کے لئے کسی چیز کے مالک نہیں۔

## آثار انبیاء کے ساتھ تو سل

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ (سورة البقرة۔ ۲۴۸)

اور ان سے ان کے نبی نے کہا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا محسن ہے اور معزز موسیٰ و معزز ہارون کے ترکہ کی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ بیشک اہل ایمان کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ ابن جریر نے اس تابوت کے بارے میں کہا۔ بنی اسرائیل جب اپنے کسی دشمن سے جنگ کرتے تو تابوت یثاق جو قبہ کے اندر ہوتا وہ ان کے ساتھ ہوتا۔ جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس تابوت اور اس کے اندر اللہ نے جو سکینہ و ودیعت فرما دیا تھا اور بقیہ آثار آل موسیٰ و ہارون ان سب کی برکت سے انہیں فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی۔ اہل غرہ و عسقلان کے ساتھ ایک جنگ میں انہیں شکست ہوئی اور انہوں نے تابوت ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ اھ

ابن کثیر نے لکھا۔ بنی اسرائیل اس تابوت کے ذریعہ اپنے دشمنوں پر فتح یاب ہوتے تھے۔ اس کے اندر سونے کا ایک ٹشت تھا جس میں انبیاء کے سینے دھوئے جاتے

تھے۔ (اھ۔ البدایہ ج ۲ ص ۸)

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ اس تابوت میں عصائے موسیٰ و عصائے ہارون اور توریت کی دو لوحیں تھیں۔ بعض نے کہا کہ عصا اور نعلین تھے۔ اھ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۳۔

قرطبی نے کہا۔ تابوت کے بارے میں مذکور ہے کہ اسے اللہ نے آدم علیہ السلام پر اتارا اور وہ انہیں کے پاس رہا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اور بنی اسرائیل اس کے صدقہ میں اپنے مخالفین و اعداء پر غالب رہا کرتے تھے۔ لیکن جب نافرمانی کرنے لگے تو عمالہ نے ان سے تابوت چھین لیا۔ اھ۔ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۴۷۔

یہ درحقیقت آثار انبیاء سے تو سل ہی ہے کیوں کہ جنگوں میں تابوت کو اپنے سامنے رکھنے کا یہی مطلب ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اس تابوت کو پھر بنی اسرائیل کی طرف لوٹا دیا اور اسے اس نے صحت و ملکِ طاوت کی علامت بنا دیا اور ان کے اس فعل پر اللہ نے کسی طرح بھی اظہارِ ناراضگی نہیں فرمایا۔

اپنے آپ سے اور دیگر انبیاء و صالحین سے نبی کریم کا تو سل

علی بن ابی طالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی لحد کھود کر اس کی مٹی نکالی اور پھر اس میں لیٹ کر یہ دعاء فرمائی۔

اللہ الذی یحیی و یمیت و هو حی لا یموت۔ اغفر لابی فاطمہ

بنت اسد و لقنها حجتها و وسع علیہا مدخلها بحق نبیک و الانبیاء الذی من قبلی فانک الرحم الرحیمین۔

## بعد وصال قبر نبوی سے توسل

حافظ داری نے اپنی کتاب السنن کے باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ کے تحت یہ حدیث درج کی ہے۔

ہم سے ابو الحسنان نے ان سے سعید بن زید نے ان سے عمرو بن مالک الکفری نے ان سے ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ نے یہ حدیث بیان کی۔

اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کی طرف دیکھو اور اس کا روشندان اس طرح کھول دو کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خوب بارش ہوئی۔ جس کے بعد گھاس اُگ آئی اور اونٹ تر و تازہ موٹے ہو گئے۔ اونٹوں پر اتنی چربی چڑھ آئی کہ اس سال کا نام ہی عام فق پڑ گیا۔  
(سنن داری ج ۱ ص ۴۳)

یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے توسل ہے۔ محض قبر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی آغوش میں آرام فرما اشرف المخلوقات وحبيب رب العالمین کے جسد مبارک کی وجہ سے اسے شرف و اعزاز حاصل ہوا۔

حافظ ابو بکر بیہقی نے لکھا ہے۔ ہم سے ابو بکر بن قتادہ اور ابو بکر الطفاری نے خبر دیتے ہوئے کہا۔

ہم سے ابو عمر بن مطر نے ان سے ابراہیم بن علی الذہلی نے ان سے یحییٰ بن یحییٰ نے ان سے ابو معاویہ نے ان سے اعش نے ان سے ابوصالح نے ان سے مالک نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا۔

حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں لوگ جتلائے قحط ہوئے تو ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیوں کہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسے حکم دیا۔

ایمت عمر لما قرأه منی السلام واخبرهم انهم مسقون و قل له علیک بالکیس الکیس۔

عمر کے پاس جاؤ ان سے میرا سلام کہو اور ان سے بتلا دو کہ لوگ بارش سے سیراب کئے جائیں گے۔ اور ان سے یہ بھی کہو کہ حزم و احتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں۔

وہ شخص عمر بن خطاب کے پاس پہنچا اور انہیں یہ بات بتلا دی۔ عمر نے کہا۔ اے رب! میں اپنے مقدور بھڑ کوئی سستی و کوتاہی نہیں کرتا۔ و هذا اسناد صحیح۔ کذا قال الحافظ ابن کثیر فی البدایہ ۱ ص ۹۱ فی حوادث ثمانیۃ عشر۔ مالک الدرامی سے روایت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں لوگ جتلائے قحط ہوئے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! استسق لامتنک فانهم قد هلكوا۔

یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے۔ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خواب میں حکم دیا کہ عمر کے پاس جاؤ۔

الحديث رواه ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من رواية ابی صالح السمان عن مالک الدارمی وکان خازن عمر۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والایوسط۔ وفیہ روح بن صلاح وثقہ ابن حبان والحاکم فیہ ضعف۔ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ کذا بمجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷)

رواہ الطبرانی فی الایوسط والکبیر بسندجید۔ ورواہ ابن حبان والحاکم وصححوہ عن انس۔ ورواہ ابن ابی شیبۃ عن جابر و ابن عبدالبر عن ابن عباس۔ واختلف بعضهم فی روح بن صلاح احد رواۃ۔ ولكن ابن حبان ذکرہ فی الثقات وقال الحاکم: ثقة مامون۔ وکلا الحافظین صحح۔ الحديث و هكذا الهیثمی فی مجمع الزوائد و رجالہ رجال الصحیح۔

ورواہ كذلك ابن عبدالبر عن ابن عباس۔ وابن ابی شیبۃ عن جابر۔ واخرجه الديلمی وابو نعیم۔ وطرقه یسد بعضه بعضا بقوة و تحقیق۔  
اللہ جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا جسے کبھی موت نہ آئے۔  
اے اللہ امیری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔ انہیں تلقین حجت فرما۔ ان کی راہ کشادہ فرما۔ اپنے نبی اور انبیاء سابقین کے حق کی برکت سے۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔  
پھر آپ نے چار مرتبہ تکبیریں کہیں اور انہیں سپرد لحد کر دیا۔ آپ کے ساتھ حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق نے یہ کام انجام دیا۔

اس حدیث ودیگر احادیث میں وارد ہے کہ انبیاء کرام کا جو حق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیلہ بنایا جب کہ یہ انبیاء کرام انتقال فرما چکے تھے۔  
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ الہی میں حق صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اور اہل حق کو بھی خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من خرج من بيته الى اصلوة فقال : اللهم اني اسالك بحق السائلين عليك وبحق ممشاي هذا فاني لم اخرج اضرا ولا ابتوا ولا رياء ولا سمعة. وخرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك. فاسالك ان تعيدني من النار وان تغفر لي ذنوبي انه لا يغفر الذنوب الا انت. اقبل الله بوجهه واستغفر له سبعون الف ملك.

(رواہ ابن ماجہ۔ کذا فی الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۷۹۔)

رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ و ابن السنی و ابولعیم۔ وقد حسنه ابن حجر و الحواشی فی المعنی عن حمل الاسفار۔ احیاء ج ۱ ص ۳۲۳)

جب فرض نماز کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور یہ دعاء کرے۔ اے اللہ! سائلین کا جو حق تیرے ذمہ کرم پر ہے اور میرا یہ چلنا جو کبر و نخوت اور ریاء و سمعہ سے خالی ہے کہ تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری خوشنودی کی طلب میں نکلا ہوں اس کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے آتش جہنم سے پناہ دے اور میرے گناہ بخش دے۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔

اس دعاء پر رحمت الہی متوجہ ہوتی ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اس دعاء میں ارشاد نبوی ہے بحق السائلین علیک جس میں زندہ اور وفات یافتہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بیک وقت ان دونوں سے توسل درست ہے۔

مذکورہ خواب دیکھنے والے صحابی رسول حضرت بلال بن حارث المزنی تھے۔ قال ابن حجر اسنادہ صحیح۔ ۵۱۔ فتح الباری ص ۴۱۵ ج ۲۔  
 راویان وائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ یہ کفر و ضلال ہے۔ مثنیٰ حدیث پر کسی نے طعن نہیں کیا۔ ابن حجر عسقلانی نے یہ حدیث ذکر کر کے اسے صحیح الاسناد کہا۔ اور حفاظ حدیث کے درمیان ابن حجر عسقلانی کا جو علم و فضل اور مقام و منصب ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

خالد بن ولید نے مسیلہ کذاب سے ہونے والی جنگ یمامہ کے موقع پر پکارا تھا۔ یا محمد اہ۔

حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ خالد بن ولید جذبہ جہاد میں صفِ اعداء میں گھستے ہوئے جبالِ مسیلہ تک جا پہنچے۔ اور وہاں اس تاک میں رہے کہ کوئی ملے تو اسے قتل کروں۔ پھر پلٹ کر دونوں صفوں کے بیچ میں آ گئے اور دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے کہا۔ میں ابن ولید ہوں میں ابن عامر و زید ہوں۔

پھر مسلمانوں کی ان دنوں یہ جو مخصوص علامت تداہتی اس کے ساتھ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔ یا محمد اہ۔ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۳۔

### مرض و تکلیف میں نبی کریم ﷺ سے توسل

یثم بن ائض سے روایت ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا پاؤں سن ہو گیا۔ ایک شخص نے کہا آپ اسے یاد کیجئے جو انسانوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ یہ سن کر آپ نے کہا۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو وہ اس طرح بھلے چنگے ہو گئے جیسے بندھن سے آزاد کر دیئے گئے ہوں۔

مجاہد سے روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ایک شخص کا پاؤں



سن ہو گیا۔ تو اس سے ابن عباس نے فرمایا۔ انسانوں میں سب سے عزیز و محبوب شخص کو یاد کرو۔ اس نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہی اس کا پاؤں شفا یاب ہو گیا۔ ذکرہ الشیخ ابن تیمیہ فی الکلم الطیب فی الفصل السابع والاربعین ص ۱۶۵۔  
یہ سب ندا کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔

### غیر نبی سے توسل

عتبہ بن غزو ان سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔  
اذا ضل احدکم شیئا او اراد عونا و هو بارض لیس بہا الیس۔  
فلیقل یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عبادا لا یراہم۔ وقد جرب ذلک۔ رواہ  
الطبرانی و رجالہ وثقوا علی ضعف فی بعضهم الا ان یزید بن علی لم  
یدرک عتبہ۔

جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ کسی ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی  
مونس نہ ہو اور وہ کسی طرح کی مدد چاہے تو یہ کہے۔ یا عباد اللہ اعینونی۔ اے بندگان  
خدا میری مدد کرو۔ کیوں کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ہم دیکھتے نہیں ہیں۔  
یہ آزمودہ چیز ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان للہ ملئکۃ فی الارض سوی العظۃ یکتبون ما یسقط من ورق  
الشجرۃ فاذا اصاب احدکم عرجۃ بارض فلاة فلیناد اعینونی یا عبد اللہ۔  
رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات۔

حفاظت پر مامور فرشتوں کے علاوہ زمین پر کچھ ایسے فرشتے ہیں جو درخت سے  
گرنے والے پتوں کو بھی لکھ لیا کرتے ہیں۔ تو جب کسی صحرا و بیابان میں کوئی راستہ بھول

جائے تو یہ آواز دے۔ اے عینونی یا عبد اللہ۔ اے بندگانِ خدا میری مدد کرو۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”اذا انفلت دابة احدكم بارض قلالة فليناد يا عباد الله احبوا۔ یا

عباد الله احبوا۔ فان لله حاضر افي الارض يحبسه۔“ رواہ ابو یعلیٰ

والطبرانی و زاد سبحه علیکم۔ و فیہ معروف بن حسان و هو ضعيف

۵۱۔ من مجمع الزوائد و منبع الفوائد للحافظ نور الدین علی بن ابی بکر

الہیثمی ج ۱ ص ۱۳۲۔“

جب کسی صحراویا یا بان میں کسی کا کوئی جانور گم ہو جائے تو وہ آواز دے یا عباد

اللہ احبوا یا عبد اللہ احبوا۔ اے بندگانِ خدا اسے روک لو۔ اے بندگانِ خدا

اسے پکڑ لو۔ اللہ کی جانب سے یہ ایسا مامور موجود بندہ وہاں ہوگا جو اسے پکڑ لے گا۔ یہ بھی

نداء کی شکل میں تو سل ہی ہے۔

حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دو رکعتیں پڑھ کر فرمایا

کرتے تھے۔

اللهم رب جبریل و اسرافیل و میکائیل و محمد النبی صلی اللہ

علیہ وسلم اعوذ بک من النار۔

قال النووی فی الاذکار۔ رواہ ابن السنی۔ وقال الحافظ بعد

تخریجہ ہو حدیث حسن۔ شرح الاذکار لابن علان ج ۲ ص ۱۳۹۔

اے اللہ! جبریل و اسرافیل و میکائیل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب! میں جہنم

سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ان حضرات کا خصوصیت سے نام لینے کا مطلب ان سے تو سل ہے۔ گویا آپ

فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے دعاء کر رہا ہوں اور جبریل امین وغیرہ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہوں۔ ابن علان نے اپنی شرح میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

**عمر فاروق کا عباس بن عبدالمطلب سے توسل اور اس کا مطلب**

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خشک سالی کے وقت عباس بن عبدالمطلب کو وسیلہ بنا کر اس طرح بارش کی دعاء کرتے تھے۔

اللهم اننا کما نتوسل الیک بنینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم  
نبینا فاسقنا۔ اخرجہ البخاری فی صحیحہ۔

اے اللہ! ہم اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب فرمایا کرتا تھا۔ اور اب اپنے نبی کے چچا کو ہم تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا رہے ہیں۔ تو ہمیں سیراب فرما۔  
الانساب میں زبیر بن بکار اس واقعہ کو بطریق آخر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ عمر بن خطاب نے عام الرمادہ (خشک سالی سے گرد و غبار اڑنے کی وجہ سے اسے عام الرمادہ کہا گیا) میں عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعاء کی اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباس بن عبدالمطلب کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے بیٹا باپ کو دیکھتا ہے۔ تو اپنے چچا عباس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ تھا اس کی سب لوگ پیروی کریں اور عباس کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنائیں۔ اور اے عباس! آپ اللہ سے دعا کیجئے۔

حضرت عباس نے اپنی دعاء میں کہا۔ اے اللہ! ہر بلا کسی گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے اور توبہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ تیرے نبی کی نسبت سے لوگ مجھے تیری بارگاہ میں

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات ظاہری میں نماز استسقاء کی امامت فرمائی تھی جس پر حضرت عمر نے حضرت عباس سے عمل کرایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی زیادہ سے زیادہ تعظیم و تکریم ہو سکے۔

یہ حقیقت حضرت عمر کی اس دعاء سے بھی ظاہر ہے۔

اللهم انا کننا نؤسل الیک بنینا فتسقینا و انا نؤسل الیک بعم

نبیک فاسقنا۔

اے اللہ! ہم اپنے نبی کے وسیلہ سے دعاء مانگتے تھے تو ہمیں تو سیراب فرمایا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعاء مانگتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔  
یعنی یہ وسیلہ اس طرح تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر نماز استسقاء کے لئے مقام نماز استسقاء تک تشریف لے جاتے۔ ان کے لئے دعا کرتے اور نماز استسقاء کی امامت کرتے۔

اب چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے ہم ان کے اہل بیت کو آگے بڑھاتے ہیں تاکہ ان کی دعاء و امامت بارگاہ الہی میں زیادہ مقبول ہو سکے۔

حضرت عباس کی دعاء میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔ ان کی دعاء کا ایک حصہ یہ ہے۔

وقد تقرب القوم بی لمکانی من نبیک۔ تیرے نبی کی نسبت سے لوگوں نے میرے وسیلہ سے تیرا قرب چاہا۔

یعنی تیرے نبی کے ساتھ میری قرابت ہونے کی وجہ سے لوگوں نے مجھے وسیلہ

بنایا۔

وسیلہ بنا کر حاضر ہیں۔ یہ ہمارے گنہگار ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے اور توبہ سے ہماری پیشانیاں تیرے دربار میں جھکی ہوئی ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور اپنے نبی کے چچا کی لاج رکھ لے کہ اس چچا کو تیرے نبی سے نسبت ہے۔

اس دعا کے ساتھ ہی بادل پہاڑوں کی طرح امنڈا اور موسلا دھار بارش سے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ حضرت عباس کے پاس آ کر ان سے برکت حاصل کرنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ اے ساقی حرمین! بارش کی مبارکباد قبول کیجئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی مبارک باد دی اور کہا۔ اللہ ہی کے لئے اللہ کے دربار میں وسیلہ اور اس کا تقرب ہے۔ عباس بن عتبہ کا اسی سلسلے میں ایک شعر ہے۔

بعمی سقى الله الحجاز واهله

عشية يستقى بشيئته عمر

میرے چچا کے صدقہ میں اللہ نے حجاز و اہل حجاز کو سیراب فرمایا۔ جس شام حضرت عمر نے ان کی بزرگی کے وسیلہ سے سیرابی کی دعاء کی۔

نماز استسقاء کی امامت کا حق حضرت عمر کو تھا لیکن اس حق سے دست بردار ہو کر حضرت عباس کو استسقاء کے لئے آگے بڑھایا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقدس خاندانہ کی عظمت شان ظاہر ہو۔ اور اپنے اوپر عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح محض اس لئے تھی کہ ممکن حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل ہو۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی جائے کہ وہ حضرت عباس کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنائیں۔ جس پر حضرت عمر نے خود اس طرح عمل کیا کہ حضرت عباس کو دعاء کے لیے آگے بڑھا کر انہیں ہی وسیلہ بنایا۔ اور اس طرح انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنایا کہ حضور

دعاء کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ **فاحفظ اللہم نبیک فی عمہ۔ اے اللہ! اپنے نبی کی لاج رکھ لے اس کے چچا کے سلسلے میں۔ یعنی اپنے نبی کے صدقہ میں میری دعا قبول فرمائے۔**

استسقاء کے معاملہ کا اس توسل سے کوئی تعلق نہیں جس پر بحث اور جس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اس حقیقت کی معرفت ہر آنکھ والے کو ہے۔ اور مذکورہ پورا واقعہ بھی وضاحت سے اس کی نشاندہی کر رہا ہے۔

اہل حجاز قحط سالی کا شکار ہوئے اور انہیں ضرورت پیش آئی کہ نماز استسقاء پڑھ کر اللہ سے دعا فریاد کریں۔ اب ظاہر ہے کہ نماز استسقاء کے لیے ایک امام کی ضرورت ہوگی جو امامت کرے دعا کرے اور اس اسلامی شعار کو قائم کرے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار تکلیف (دنیا) میں رہتے ہوئے قائم فرمایا تھا۔ جس طرح دوسرے شعائر دین مثلاً امامت جمعہ، خطبہ وغیرہ آپ نے قائم فرمایا۔ اور یہ ایسے اعمال تکلیفیہ ہیں جن کے اہل برزخ مکلف نہیں۔ کیوں کہ اس دنیا سے پردہ لینے کے بعد دنیوی تکالیف ان سے منقطع ہو گئیں اور وہ ان سے عظیم امور کی طرف متوجہ و مصروف ہو گئے۔

جو شخص کلام امیر المومنین عمر فاروق کا یہ مطلب نکالتا ہے کہ انہوں نے اس لئے حضرت عباس سے توسل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہیں کیا کہ حضرت عباس زندہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ ایسے شخص کی عقل مرچکی ہے وہم اس پر غالب آچکا ہے اور وہ اپنے اوپر سطحیت یا عصبیت کو مسلط کر چکا ہے۔ اور وہ اپنی

۱۔ خلاصہ مشکوٰۃ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کو نماز استسقاء کا امام نہیں بنایا جاسکتا اس لئے حضرت عمر نے حضرت عباس کو امام بنایا جب کہ وہ خود امیر المومنین اور مستحق امامت تھے لیکن انہوں نے قرابت و نسبت رسول کو سبیلہ بنایا۔ تو اصلاح یہ توسل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت عباس کی دعاؤں سے بھی یہی واضح ہے۔ (پس اختر مصباحی)

خود ساختہ رائے کا شکار ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو اسی لئے تو وسیلہ بنایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت دار ہیں۔ حضرت عمرؓ کی اس دعا سے یہی وجہ اور حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔  
وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں تو ہمیں سیراب فرمادے۔  
اس دعاء میں خود ہی نہایت بہتر طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔

بڑا ہی نا انصاف اور خطر کار کا ہے وہ شخص جو توسل کی وجہ سے کسی مسلمان کو مرتکب شرک قرار دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ زندہ شخص سے توسل جائز ہے۔ کیوں کہ توسل اگر شرک ہوتا تو زندہ مردہ کسی شخص سے بھی توسل جائز نہ ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے علاوہ کسی نبی یا فرشتہ یا ولی کے بارے میں اعتقاد بوبیت یا اسے مستحق عبادت سمجھنا شرک و کفر ہے۔ اور یہ شرک و کفر اس کی دنیوی و اخروی زندگی میں کسی بھی وقت جائز نہیں۔  
کیا کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی اس کی زندگی میں اسے رب سمجھنا جائز ہے۔ اور وفات کے بعد شرک ہے؟

مذکورہ بحث سے واضح ہو گیا کہ بارگاہ الہی میں کسی معظم ہستی کو وسیلہ بنانا اس کی عبادت نہیں ہے۔ ہاں اگر اس معظم ہستی کو رب سمجھ کر اسے وسیلہ بنائے تو یہ اس کی عبادت سمجھی جائے گی۔ جیسے بت پرست اپنے بتوں کو رب سمجھا کرتے تھے۔ اور اگر کسی شخص معظم کو رب نہ سمجھتے ہوئے اسے حکم الہی کے مطابق بارگاہ الہی میں وسیلہ بنایا جائے تو یہ توسل حاکم و امر حقیقی اللہ عزوجل کی عبادت ہے۔

## امام عقی کا بیان کردہ واقعہ توسل

حافظ شیخ عماد الدین ابن کثیر نے لکھا ہے۔

مندرجہ ذیل واقعہ کئی علماء نے بیان کیا ہے جن میں سے شیخ ابو منصور العباغ اپنی کتاب الحکایۃ المشہورۃ میں لکھتے ہیں۔

عقی نے کہا میں قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ! پھر کہنے لگا۔ آپ کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا. (نساء-۶۴)

اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر تمہارے حضور حاضر ہوں اور اللہ سے مغفرت چاہیں اور رسول ان کی شفاعت کرے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

میں اس لئے حاضر ہوں کہ آپ کے توسل سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا استغفار اور طلب شفاعت کروں۔ پھر وہ اعرابی یہ شعر پڑھنے لگا۔

ياخير من دفنت بالقاع اعظمه

فطاب من طيهن القاع والاكم

اے ان تمام لوگوں میں بہتر جن کی ہڈیاں زمین میں مدفون ہوئیں تو ان کی خوشبو سے چٹیل میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔

نفس الفداء لقبر انت ساكنه

فيه العفات وفيه الجود والكرم



میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ آرام فرمائیں۔ اسی قبر میں عفت بھی ہے اور جو دو کرم بھی ہے۔

اس عرض مدعا کے بعد اعرابی واپس چلا گیا۔ اور مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ خواب ہی میں آپ نے مجھے حکم دیا۔ الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفر له۔ اعرابی سے ملاقات کر کے اسے بشارت دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

اس واقعہ کو مندرجہ ذیل علماء وائمہ نے بیان کیا ہے۔

امام نووی۔ الايضاح الباب السادس ص ۴۹۸۔ الحافظ عماد الدین تفسیر ابن کثیر زیر آیت وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا. الخ. شیخ ابو محمد ابن قدامہ۔ المغنی ج ۳ ص ۵۵۶۔ شیخ ابو الفرج ابن قدامہ۔ الشرح الكبير ج ۳ ص ۴۹۵۔ شیخ منصور بن یونس البیہوتی۔ فتح جنلی کی مشہور کتاب کشاف القناع ج ۵ ص ۳۰۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ امام قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر الجامع میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ابو صادق نے حضرت علی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی تدفین کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا۔ وہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے اختیار لوٹنے اور اپنے سر پر خاک اڑانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے حکم دیا تو ہم نے آپ کی بات مانی۔ آپ نے اللہ سے لے کر اسے محفوظ رکھا اور ہم نے آپ سے اسے حاصل کیا۔ اللہ نے آپ پر یہ

آیت نازل فرمائی۔ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم۔ الخ

میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار کریں۔ قبر انور سے ندا آئی کہ تمہاری بخشش ہو گئی۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۳۶۵۔)

عتبسی کا واقعہ بڑے بڑے علماء و ائمہ نے نقل کیا ہے۔ کسی بھی خبر پر حکم لگانے کے لئے محدثین اس کی سند پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب سند کے اعتبار سے یہ واقعہ صحیح ہو یا ضعیف۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان علماء اسلام نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کر کے کیا کفر و ضلال کی اشاعت کی ہے؟ یا ایسی چیز بیان کی ہے جو بت پرستی اور عبادت قبور کی دعوت دیتی ہو؟

اور اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر ان علماء اور ان کی کتابوں کا کیا اعتبار رہ جائے گا؟ سبحانک هذا بہتان عظیم۔

### خلاصہ کلام

بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں بڑے ہی جاہ و مرتبہ اور قدرو منزلت والے ہیں۔ اور حیات دنیوی و اخروی میں آپ کو وسیلہ بنائے جانے کے بہت سے دلائل و براہین بھی ہیں۔ پھر آپ سے توسل کے لئے کون سی شرعی یا عقلی قباحت و ممانعت ہے؟

توسل میں غیر اللہ سے نہیں سوال کیا جاتا۔ نہ اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کی جاتی ہے۔ صرف اللہ کے محبوب کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ محبوب کبھی عمل صالح ہوتا ہے جسے اللہ پسند فرماتا ہے اور کبھی اللہ کا کوئی محبوب بندہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث آدم و حدیث فاطمہ بنت اسد و حدیث عثمان بن حنیف میں مذکور ہے اور یہ احادیث ہم بیان کر چکے ہیں۔

کبھی اللہ کے اسماء حسنی کو وسیلہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اسالک ہانک انت اللہ۔

کبھی اللہ کی صفت یا اس کے فعل کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک۔

توسل اسی تنگ دائرہ میں محدود نہیں ہے جسے انتہا پسند مکررین توسل نے گمان کر رکھا ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان کے نزدیک یہ حقیقت واضح ہے کہ جس چیز کو اللہ کے نزدیک محبوبیت حاصل ہے اس سے توسل درست ہے۔ اسی طرح ہر محبوب و معظم ہستی خواہ نبی ہو یا ولی اس سے بھی توسل درست ہے۔ اس سے نہ کتاب و سنت مانع ہے نہ عقل انسانی بلکہ نقل و عقل ہر لحاظ سے اس کے جواز پر بکثرت دلائل موجود ہیں۔ اور توسل میں مسئول اور مرجع و مآب صرف اللہ وحدہ لا شریک کی ذات ہے۔ نبی و ولی اور زندہ و فات یافتہ مخلوق نہیں۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا۔

(نساء۔ ۷۸)

تم کہو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کوئی بات سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔

جب اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیوں کہ وہ افضل مخلوقات و اعمال ہیں اور اللہ انہیں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر توسل سے مانع کیا چیز ہے؟ الفاظ توسل کا مفاد یہی تو

ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الہی میں محبوب و مقرب اور صاحب قدر و منزلت ہیں؟ اور توسل کرنے والے کسی شخص کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اب بارگاہ الہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا جو شخص بھی انکار کرے وہ یقیناً کافر ہے۔

مسئلہ توسل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے اس کی اللہ کے نزدیک عظمت اور اللہ کو اس سے محبت ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ بارگاہ الہی میں انہیں عظمت و محبوبیت حاصل ہے۔

اعمال صالحہ سے توسل پر توب کا اتفاق ہے۔ پھر یہ کیوں نہ بھگا اور کہا جائے کہ انبیاء یا صالحین سے توسل کرنے والا ان کے ان اعمال صالحہ سے توسل کر رہا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اور حدیث اصحاب غار (روایت بخاری) اس سلسلے میں وارد اور کافی بھی ہے اس طرح اصلاً اعمال صالحہ سے توسل پر سب کا اتفاق ہو جائے گا۔

صالحین سے توسل کرنے والا اسی لئے تو ان سے توسل کرتا ہے کہ وہ صالح ہیں۔ تو بات اعمال صالحہ ہی تک پہنچتی ہے جس کے جواز پر سب کا اتفاق ہے۔

### ایک شبہ کا ازالہ

مذکورہ احادیث و آثار سے توسل کا ثبوت ملتا ہے اور اس کی تائید ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ توسل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ خاص ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی شکل میں کہ روح باقی ہوا کرتی ہے اور اسی روح سے احساس و ادراک و شعور کا وجود ہے۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مردہ شخص سماعت و احساس اور شعور رکھتا ہے بھلائی سے اسے خوشی ملتی ہے اسے فائدہ پہنچتا ہے شر سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اور حزن لاحق ہوتا ہے اور یہ معاملہ ہر مردہ انسان کے ساتھ ہے۔

اسی لئے غزوہ بدر کے موقع پر وہ کفار قریش جنہیں قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا انہیں آواز دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا عتبہ یا شیبہ یا ربیعہ۔

کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کفار مر کے سڑ گئے چکے ہیں انہیں آپ کیوں آواز دے رہے ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا ما انتم باسمع منهم و لكنهم لا يستطيعون۔ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ ہاں یہ ہے کہ انہیں جواب دینے کی طاقت نہیں ہے۔

جب عام انسانوں کی یہ بات ہے تو پھر افضل البشر، اکرم الخلق، اعظم العباد صلی اللہ علیہ وسلم جو جملہ مخلوقات سے کامل احساس و ادراک اور قوی شعور رکھنے والے ہیں ان کی سماعت و ادراک کا کیا کہنا۔

اور احادیث کثیرہ میں اس کی تصریح بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں سنتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اعمال امت آپ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ ان کے اعمال میں بہت پرستغفار اور اعمال حسنہ پر حمد الہی بجالاتے ہیں۔

انسان کی قیمت درحقیقت اس کے مقدار شعور و احساس و ادراک سے ہے۔ اس کی حیات سے نہیں۔ ہم بہت سے زندہ انسانوں کو دیکھتے ہیں کہ غباوت طبع اور قلب ذوق کے ساتھ انسانی شعور و احساس سے بھی محروم ہیں۔ ان کی حیات سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا اور وہ مردہ کی صفت میں شمار کئے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

بعد وصال! نبی کریم ﷺ کی قوت سماعت و رویت و معرفت کا انکار

ایک جاہلانہ شیوہ

انہیں مرووں میں ان کا بھی شمار ہے جو اس جاہلانہ شیوہ کو اپنائے ہوئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے نہ ہمیں پہچانتے ہیں نہ ہمارے لئے اللہ سے دعاء کرتے ہیں۔

اس سے بڑی جسارت اور قبیح جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ جس کے اندر بارگاہ نبوی میں شدید تنقیص و بے ادبی بھی شامل ہے حالانکہ احادیث و آثار کثیرہ سے ثابت ہے کہ مردہ خواہ مومن ہو یا کافر وہ سنتا ہے، احساس رکھتا ہے اور پہچانتا بھی ہے۔

اس سلسلے میں شیخ ابن قیم نے بھی کتاب الروح میں لکھا ہے کہ مردہ کی سماعت و احساس پر سلف کا اجماع ہے اور ان کے آثار کا تو اثر ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ پر شیخ ابن تیمیہ نے بھی ایک فتویٰ میں اس کی تائید کی ہے۔  
الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۳۳۱ و ص ۳۶۲۔

جب عام بشر کے سلسلے میں یہ سماعت و ادراک ثابت ہے تو پھر عام اہل ایمان اور خاص مقرب بندگان خدا اور ان سے آگے بڑھ کر سید الاولین و الاخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا کہو گے؟

توسل کے قائل علماء و ائمہ کرام

چند ائمہ کبار و حفاظ السنۃ جو جواز توسل کے قائل ہیں ان کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اب۔ الامام الحافظ ابو عبد اللہ الحاکم ..... اپنی کتاب المستدرک میں آپ نے حدیث توسل آدم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا ہے اور اسے حدیث صحیح کہا ہے۔

- ۲۔ الامام الحافظ ابو بکر البیہقی ..... اپنی کتاب دلائل النبوة میں حدیث آدم کو آپ نے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں موضوعات بالکل نہیں ہیں۔
- ۳۔ الامام الحافظ جلال الدین السيوطی ..... اپنی کتاب انصاف الکبریٰ میں حدیث توسل آدم کو آپ نے بیان کیا ہے۔
- ۴۔ الامام الحافظ ابو الفرج ابن الجوزی ..... اپنی کتاب الوفاء میں آپ نے یہ حدیث اور دیگر مسائل توسل درج کئے ہیں۔
- ۵۔ الامام الحافظ القاضي عياض المالکی ..... اپنی کتاب الشفا فی التعریف بحقوق المصطفیٰ کے باب الزیارة و باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں توسل سے متعلق بہت تفصیل سے آپ نے لکھا ہے۔
- ۶۔ الامام الشیخ نور الدین القاری المعروف بہ ملا علی قاری ..... نے شرح شفاء میر مذکورہ مقامات پر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔
- ۷۔ العلامة احمد شہاب الدین الخفاجی ..... نے شرح شفا موسوم بہ نسیم الریاض میں مذکورہ مقامات پر اضافہ کیا ہے۔
- ۸۔ الامام الحافظ القسطلانی ..... نے اپنی کتاب المواہب اللدنیہ کے مقصد اول میں لکھا ہے۔
- ۹۔ العلامة الشیخ محمد عبد الباقي الزرقانی ..... نے شرح مواہب ج ۱ ص ۴۴ پر لکھا ہے۔
- ۱۰۔ الامام شیخ الاسلام ابو زکریا یحییٰ النووی ..... نے اپنی کتاب الايضاح کے الباب السادس ص ۴۹۸ پر لکھا ہے۔
- ۱۱۔ العلامة ابن حجر الہیثمی ..... نے اپنے حاشیہ علی الايضاح کے ص ۴۹۹ پر لکھا ہے۔ اور الجوہر المظہم کے نام سے اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے۔

- ۱۲۔ الحافظ شہاب الدین محمد بن محمد بن الجوزی الدمشقی.....  
نے اپنی کتاب عدۃ المحسن الحصین کے فصل آداب الدعاء میں لکھا ہے۔
- ۱۳۔ العلامة الشیخ محمد بن علی الشوکانی..... نے اپنی کتاب تحفۃ  
الذاکرین کے ص ۱۶۱ پر لکھا ہے۔
- ۱۴۔ علامہ الامام المحدث علی بن عبد الکافی السبکی..... نے اپنی  
کتاب شفاء القام فی زیارة خیر الانام میں لکھا ہے۔
- ۱۵۔ الحافظ عماد الدین ابن کثیر..... نے اپنی تفسیر میں زیر آیت ولوانہم  
اذ ظلموا انفسہم الخ لکھا ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توسل کرنے والے اعرابی کا جو  
واقعہ یحییٰ نے بیان کیا ہے اسے ذکر کیا ہے اور اس پر کسی طرح کا اعتراض نہیں کیا۔  
توسل آدم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بیان کیا ہے اور اسے موضوع نہیں کہا۔
- البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۰۔
- اس شخص کا واقعہ بھی لکھا ہے جو قبر نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوا اور اسے توسل کیا  
اور کہا۔ ان اسنادھا صحیح۔ ج ۱ ص ۹۱۔
- یہ بھی ذکر کیا کہ مسلمانوں کا شعار یا محمد ہے۔ ج ۶ ص ۳۲۳۔
- ۱۶۔ الامام الحافظ ابن حجر..... آپ نے بھی اس شخص کا واقعہ نقل کیا ہے جو قبر  
نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوا اور اس نے توسل کیا اور کہا کہ اس واقعہ کی  
سند صحیح ہے۔ فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۵
- ۱۷۔ الامام المفسر ابو عبد اللہ القرطبی..... نے بھی زیر آیت ولوانہم  
اذ ظلموا انفسہم الخ جواز توسل کے بارے میں لکھا ہے ج ۵ ص ۲۶۵۔



## صحابہ کرام نبی کریم سے امید وار شفاعت

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز نہیں اور کچھ تشددین کا گمان ہے کہ ایسا کرنا شرک و گمراہی ہے۔ ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا (زمر-۴۳)  
”تم کہو شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے“

اس آیت سے یہ استدلال باطل ہے۔ اور ان کے اس استدلال سے ان کی فہم فاسد کا پتہ چلتا ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ کتاب یا سنت کی کوئی ایسی نص نہیں جو دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کے لئے مانع ہو۔

۲۔ اس آیت سے دوسری آیات قرآنی کی طرح صرف اس کا علم ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اسی کے لئے خاص ہے ملک اس کا ہے اور امر و حکم اور تصرف اس کا ہے البتہ وہ کسی کو کچھ دینا چاہے تو کوئی اسے روکنے والا بھی نہیں وہی مالک الملک ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَـٰهُ

الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (غابن - ۱) ”اسی کی ساری سلطنت ہے اور اسی کی ساری تعریف ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مالک الملک بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے۔

تَوَلَّى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ. (ال عمران - ۲۶)

”جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے“

ایک جگہ اس نے یہ فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا.

(فاطر - ۱۰)

”جسے عزت کی چاہ ہو تو ساری عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے“

اور دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (منافقون - ۸)

”اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے“

شفاعت کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے۔ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا. (زمر - ۴۴)

”تم کہو شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

اور یہ بھی فرمایا ہے۔ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ

عَهْدًا. (مریم - ۸۷)

”لوگ شفاعت کے مالک نہیں۔ ان کے سوا جنہوں نے رحمن کے پاس عہد و

قرار رکھا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے۔ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ

إِلَّا مَنِ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. (زخرف - ۸۶)

”اللہ کے سوا جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ مالک شفاعت نہیں ہاں! شفاعت وہ کر

سکتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا وہ عطا کیا عزت جو صرف اسی کے لئے ہے اسے جیسے

اور جس طرح اس نے چاہا اپنے رسول اور اہل ایمان کو بھی دیا۔

اسی طرح شفاعت جو صرف اسی کے لئے ہے اسے انبیاء و مرسلین اور اپنے صالح بندوں کو اس نے عطا فرمایا بلکہ بہت سے عام مسلمانوں کو بھی اس نے دیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

انسان اپنے مالک سے کچھ مانگے تو اس میں حرج کیا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مالک و مسئول کریم و جواد ہو اور وسائل شدید ضرورت مند محتاج ہو۔

شفاعت دعاء ہی تو ہے۔ اور دعاء مازون بھی ہے مقبول بھی ہے۔ خصوصاً انبیاء و صالحین اپنی حیات میں اور بعد وفات اپنی قبر اور قیامت میں اس دعاء کے لیے مازون و مقبول ہیں۔ تو شفاعت کی ہر اس شخص کو اجازت ہے جس نے اللہ سے عہد باندھا ہو اور ہر صاحب ایمان کے حق میں اس کی شفاعت اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول بھی فرمائے گا۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کیا اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے طلب شفاعت شرک ہے اس لئے یہ شفاعت اللہ سے طلب کرو اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

انس بن مالک عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ انا فاعل انشاء اللہ۔ میں انشاء اللہ تمہاری شفاعت کروں گا۔ ”رواہ الترمذی و حسنہ فی باب ماجاء فی صفة الصراط۔“

حضرت انس کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کیا ہے۔

سواد بن قارب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپ کے سامنے یہ

الیک رسول اللہ خبت مطبی

تجوب الفیافی من عمان الی العرج

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری سواری عمان سے عرج تک کے صحرا و بیابان کو عبور کرتی ہوئی آپ کی بارگاہ تک پہنچی۔

لنشفع لی خیر من وطنی الحصا

یففر لی ربی فارجع بالفلج

کہ اے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر! آپ میری شفاعت فرمائیں تو میرا رب میری مغفرت فرمادے اور میری کامیاب واپسی ہو۔

(رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوة ص ۴۴)

عکاشہ بن محسن نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت طلب شفاعت کیا جب آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار مسلمان بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے عکاشہ نے اس وقت عرض کیا۔ ادع اللہ ان یجعلنی منہم۔ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی انہیں لوگوں میں شامل فرما دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلا توقف کے فوراً ارشاد فرمایا ”انت منہم“ تم انہیں میں شامل رہو گے۔

یہ واضح ہے کہ شفاعت سے پہلے ہی یہ شفاعت کسی بھی اہل ایمان کو حاصل نہیں ہوگی۔ اور اہل قیامت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس کے بعد یہ شفاعت میسر آئے گی۔ تو یہاں اس کا مطلب آپ سے طلب شفاعت ہی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ اور یہ ساری احادیث بتلاتی ہیں کہ دنیا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز ہے۔

اشعار پیش کرتے ہیں۔

واشهد ان الله لا رب غيره

وانك مأمون على كل غائب

میں کو اسی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ اور اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہیں۔

وانك ادنى المرسلين وميلة

الى الله يا ابن الاكرمين الاطائب

اور سارے رسولوں میں آپ کا وسیلہ اللہ سے قریب تر ہے اے پاکیزگی و شرافت والوں کے فرزند آخر میں سواد بن قارب عرض کرتے ہیں۔

فكن لى شفيعا يوم لا ذو شفاعه

سواك بمغن عن سواد بن قارب

تو آپ اس دن میری شفاعت کریں جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی کی شفاعت کچھ فائدہ پہنچا کر بے نیاز نہ کر سکے۔

”رواه البيهقى فى دلائل النبوة. ورواه ايضا ابن عبد البر فى

الاستيعاب.“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد بن قارب کی اس طلب شفاعت پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مازن بن العصب جب اسلام لا کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو یہ اشعار

آپ کی خدمت میں پیش کر کے انہوں نے بھی طلب شفاعت کیا۔

کچھ صحابہ نے متعین اور واضح طور پر آپ سے اس طرح طلب شفاعت کیا ہے کہ آپ میری شفاعت فرمائیں یا آپ سے طلب دخول جنت کیا یا یہ طلب کیا کہ میں جنت میں داخل ہونے والے سابقین میں سے رہوں یا یہ کہ میں حوض کوثر سے سیرابی حاصل کروں یا یہ کہ جنت میں مجھے آپ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو جیسے ربیعہ بن کعب اسلمی نے آپ سے عرض کیا۔ ”اسالک مرافقتک فی الجنة.“ میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ کثرت سجود سے اپنے لئے میری مدد کرو۔ آپ نے ان سے یا کسی سے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے طلب جنت یا طلب رفاقت یا تمنائے جنت یا سیرابی حوض کوثر وغیرہ حرام ہے اور اس وقت ان کی طلب ناجائز ہے ابھی اس وقت کا وقت نہیں آیا اور انتظار کرو اس وقت کا جب اللہ مجھے اذن شفاعت یا داخل جنت یا سیرابی حوض کوثر مرحمت فرمائے گا تب تم لوگ مجھ سے ان چیزوں کی طلب کرنا اس طرح کی کوئی بات آپ نے نہیں فرمائی۔

حالاں کہ یہ سارے امور مطلوبہ شفاعت عظمیٰ کے بعد ہی عمل میں آئیں گے تو صحابہ کرام کا مقصود طلب شفاعت ہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امور مطلوبہ کی بشارت بھی دی اور ایسا وعدہ فرمایا جس سے ان کی ڈھارس بندھ جائے دل مسرور ہوں اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور ایسا کرنا آپ کے لئے ہرگز ممنوع نہ تھا اور ایسا بھی نہیں کہ آپ نے انہیں محض خوش کرنے کیلئے کہہ دیا ہو۔ کیوں کہ حق کے سلسلے میں آپ لومۃ لائم کی پرواہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور تسلی و دلجوئی صرف دائرہ حق میں ہی ہوا کرتی تھی جس میں کذب و نفاق وغیرہ کا دور دور تک کوئی شائبہ بھی نہ ہو۔

جب آخرت سے پہلے اس دنیا میں ہی آپ سے طلب شفاعت درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز حقیقۃً اس طالب شفاعت کو شفاعت نصیب ہوگی

جب اللہ اذنی شفاعت سے سرفراز فرمائے گا یہ نہیں کہ اس دنیا میں وقت سے پہلے ہی طالب شفاعت کو شفاعت مل جائے گی۔

درحقیقت اس کی مثال ان خوش قسمت اہل ایمان جیسی ہے جنہیں جنت کی بشارت اس دنیا ہی میں مل چکی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت متعین پر جب اللہ تعالیٰ دخلو جنت کا اذن مرحمت فرمائے گا اس وقت بروز قیامت یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے یا برزخی زندگی ہی میں جنت میں نہیں چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی عام سمجھ دار مسلمان بھی اس کے خلاف عقیدہ نہیں رکھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دنیا ہی میں طلب شفاعت جب جائز ہے تو پھر آپ کے وصال کے بعد آپ سے طلب شفاعت میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام برزخ میں زندہ ہیں۔ اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حیات برزخی میں سارے انبیاء سے زیادہ علم و کمال والے ہیں۔ وہ کلام سنتے ہیں۔ اعمال امت ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنی امت کے لئے وہ اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ اس کی حمد بجالاتے ہیں۔ زمین کے کسی گوشہ سے کوئی مسلمان درود بھیجے تو وہ آپ تک پہنچتا ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

حیاتی خیر لکم تحدثون و تحدث لکم. و مماتی خیر لکم  
تعرض اعمالکم علی. فان وجدت خیرا حمدت اللہ. وان  
وجدت شرا استغفرت اللہ لکم. و هذا الحديث صحيحه من  
الحفاظ. العراقي والهيمى والقسطلانى والسيوطى واسماعيل  
القاضى. وقد فصلنا تخريجه فى غير هذا الموضع.

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم بات کرتے ہو اور تمہارے لئے بات کی

جاتی ہے اور میری موت تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ ان میں اگر میں بھلائی پاؤں گا تو حمد الہی بجلاؤں گا اور برائی دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار کروں گا۔

رسول اکرم سے اس وقت بھی اگر کوئی طلب شفاعت کرے تو آپ اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے لئے اللہ سے دعاء و سوال کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنی حیات و مقدرہ میں قبل وصال کیا کرتے تھے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے جو ہمارے قلوب میں راسخ اور جاگزیں ہے۔

### ابن تیمیہ کے نزدیک آیات شفاعت کی تفسیر

اس تفسیر کا مفاد یہ ہے کہ اس دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز ہے۔ فتاویٰ شیخ ابن تیمیہ میں ہے۔

مکرین شفاعت ان آیات کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ. (بقرہ، ۴۸)

”اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان کسی جان کا بدلہ نہ ہو پائے گی اور جس دن کسی کافر کے لئے کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی۔“

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ. (بقرہ، ۱۲۳)

”نہ کسی جان کو کچھ لے کر چھوڑا جائے نہ کسی کی سفارش کوئی فائدہ پہنچائے۔“

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ. (غافر، ۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔



فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. (مذثر-۴۸)

”تو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ پہنچائے گی۔“

اہل سنت کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہاں دو چیزیں مراد ہیں۔

۱۔ مشرکین کو شفاعت کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا سَلَكَكُمْ لِيْ سَقَرٌ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمِ  
الْمَسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ الدِّينِ. حَتَّىٰ آتَانَا  
الْيَقِيْنَ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. (مذثر ۴۲-۴۳)

”تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ اور مسکین کو

کھانا نہ کھلاتے تھے۔ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکر کرتے تھے۔ اور یوم جزا کو  
جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔ تو انہیں سفارش کی سفارش کام نہ دے  
گی۔“

ان کے بارے میں صاف کہا گیا ہے کہ سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش

انہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی کیوں کہ یہ کافر و مشرک ہیں۔

۲۔ اس شفاعت کی نفی ہے جو اہل شرک یا ان سے ملتے جلتے کتابی و بد مذہب مسلمان  
جن کا گمان ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کچھ معزز لوگ اس کے اذن کے بغیر بھی شفاعت کر سکیں  
گے۔ جیسے انسان آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کرتے ہیں تو طمع و خوف یا معاوضہ کے  
لئے ان کی سفارش مان لی جاتی ہے۔

مشرکین نے انبیاء و ملائکہ و صالحین کو اپنا شفیع بنا رکھا تھا۔ ان کے مجسمے بنا کر ان

سے طلب شفاعت کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے خواص و مقربین ہیں۔

مندرجہ بالا ساری تحریریں ابن تیمیہ کی ہے۔ جس سے ان آیات کی حقیقت خوب

اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جن سے منکرین یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں طلب شفاعت جائز نہیں یا اسے شرک و گمراہی قرار دیتے ہیں۔

تفسیر ابن تیمیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت کسی مشرک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور اسی سلسلے میں مذکورہ آیات کا نزول بھی ہوا ہے۔ یا اس شفاعت کی نفی ہے جو اہل شرک کی ہے کہ ان کے اعتقاد کے مطابق بغیر اذن الہی بھی شفاعت کی جاسکتی ہے۔

شفاعت کا جو نظریہ شیخ ابن تیمیہ نے یہاں بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے بفضلہ تعالیٰ شفاعت کے اسلامی تصور ہی پر ہمارا اعتقاد ہے۔ اور ہم صراحتاً کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص اس عقیدت یا گمان کہ تحت طلب شفاعت کرے کہ وہ اذن الہی کے بغیر شفاعت فرمائیں گے تو یہ بلاشبہ شرک یا گمراہی ہے۔ لیکن حاشا دکھائیں حاشا دکھا اس طرح کا ہمارا عقیدہ ہے نہ گمان اور ہم بارگاہ الہی میں اس سے اظہار برأت کرتے ہیں۔

ہم طلب شفاعت کرتے ہیں تو ہمارا عقیدہ ہوتا ہے کہ بغیر اذن الہی کوئی بھی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور اللہ کی مشیت و مرضی اور اس کی توفیق کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ طلب شفاعت کی مثال ایسی ہے جیسے دخول جنت کی طلب، حوض کوثر سے سیرابی کی طلب، پل صراط سے نجات کی طلب یہ ساری چیزیں اذن الہی سے اپنے مقررہ وقت ہی پر ہوں گی اور اس میں کسی صاحب عقل کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ چھوٹے سے چھوٹا طالب علوم اسلامیہ جس نے کتب اسلاف کا مطالعہ کر رکھا ہے اس پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہو گی۔

اللهم افتح مسامع قلوبنا و نور ابصارنا

# إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

## کامعنی

استعانت و استغاثہ و طلب و سوال و نداء میں اصل یہ ہے کہ اللہ سبحہ و تعالیٰ ہی سے ہو کیوں کہ وہی معین و معیث و مجیب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ. وَإِنْ يُمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ. (یونس۔ ۱۰۶)

”اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کر جو نہ تجھے نفع پہنچا سکے نہ نقصان۔ پھر اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔“

فَاِتَّقُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ. (عنکبوت۔ ۱۷)

”تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈھو اور اس کی عبادت کرو۔“

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ إِلَيْهِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ. (احقَاب۔ ۵)

”اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرے جو قیامت تک اس کی نہ بنیں۔“

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ (نمل۔ ۶۲)

”یادہ جو مجبوروں کی پکار سنتا ہے اور مصیبت دور کرتا ہے۔“

تمام اقسام عبادت اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ کسی قسم کی عبادت کسی بھی وقت غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔

قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَنُسَكَيْتُ وَمَتَّعَيْتُ وَمَمَّيْتُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ .  
لَأَشْرِيَنَّكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ. (انعام۔ ۱۶۲)

”تم کہو میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی مجھے حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔“

نذر ہو تو اللہ کے لئے ہو۔ دعا صرف اس سے کی جائے۔ ذبیحہ پر صرف اس کا نام لیا جائے۔ استعاذہ استعانت استعاذہ سب کچھ اللہ سے ہو۔ حلف اللہ ہی کے نام پر ہو۔ اور توکل صرف اسی پر کیا جائے۔ سبطنہ و تعالیٰ عما یشرک بہ المشرکون علوا کہہ را۔

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ اس کے سوا کسی زندہ مردہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ اللہ کے ساتھ کوئی بھی کسی فعل یا ترک یا رزق یا زندگی دینے یا مارنے میں شریک نہیں۔ نہ کوئی مخلوق کسی فعل یا ترک پر بالذات قادر ہے۔ نہ کسی چیز میں اعلیٰ یا ادنیٰ سطح پر کوئی اللہ کا شریک و سہیم ہے۔

کائنات میں تصرف کرنے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ کوئی خود اپنی جان کا مالک ہے نہ کسی دوسرے کی جان کا مالک ہے۔ نفع و نقصان، موت و حیات کسی چیز میں کوئی کسی کا مالک نہیں۔ الا ما شاء اللہ باذن اللہ۔

نفع و ضرر کا اللہ کا جانب سے کسی کو اذن ملے تو اس کی بھی ایک حد اور قید ہے۔ اور مخلوق کی طرف اس کی نسبت بر سبیل سہیت و تکسب ہے۔ بر سبیل خلق یا ایجاد یا تاثیر یا علت یا قوۃ نہیں۔ اور یہ نسبت بھی مجازی ہوگی حقیقی نہیں۔

ان حقائق کی تعبیر میں لوگوں کا اختلاف ہے کچھ لوگ استعمال مجاز میں حد سے آگے تجاوز کر جاتے ہیں جس سے خود ان کے مقصود کے خلاف لفظی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ ان کا دل اور وہ خود اس سے بری ہوتے ہیں۔ اور کمال توحید و تنزیہ باری تعالیٰ پر ان کا مکمل ایمان ہوتا ہے۔

اور بعض لوگ تمسک بالحقیقہ کے نام پر حد اعتدال سے آگے بڑھ کر تشدد و انتہا پسندی پر اتر آئے ہیں۔ لوگوں کے معاملات و معمولات میں ان کے عقیدہ کے برعکس اہتمام و بہتان تراشی کرنے لگتے ہیں۔ بد تمیزی و بے ادبی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں۔ اور ان پر ایسا حکم عائد کر ڈالتے ہیں جن سے وہ ہر طرح بری الذمہ ہیں۔

حالاں کہ ضروری یہ ہے کہ اعتدال و توازن کا رویہ اختیار کیا جائے اور کسی کی نیت و مقصود کے خلاف اس کی طرف کسی خیال و عمل کو منسوب نہ کیا جائے۔ یہی دین کے لئے محفوظ طریقہ اور مقام توحید کی حمایت کے لئے بہتر احتیاطی تدبیر ہے۔ واللہ اعلم۔

حق سبحانہ و تعالیٰ سے مختص جن عقائد کا خلاصہ شیخ ابن تیمیہ نے نہایت جامع طور پر تحریر کیا ہے وہ بڑا ہی مٹی بر حقیقت اور عین اسلامی عقیدہ پر مشتمل ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

اللہ سمجھ و تعالیٰ کے حقوق میں کوئی مخلوق شریک نہیں۔ اس لئے عبادت صرف اللہ کے لئے ہے۔ دعاء صرف اسی سے ہے۔ توکل صرف اسی پر ہے۔ امید صرف اسی سے ہے۔ خوف صرف اسی سے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مجاہد مادی نہیں۔ بھلائیاں وہی عطا کرتا ہے۔ برائیاں وہی مٹاتا ہے۔ طاقت و قوت صرف اسی کی ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ. (سبا-۱۳)

”اور اس کے پاس شفاعت مفید نہیں ہوگی مگر اس کی جسے اللہ کا اذن حاصل ہو۔“

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ. (بقرہ-۲۵۵)

”کون ہے جو اللہ کے اذن کے بغیر اس کے پاس شفاعت کرے۔“

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا اتَّبَعَ الرَّحْمَنَ عَبْدًا. لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا. وَكُلُّهُمْ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَرْدًا. (مریم-۹۳-۹۵)

”آسمانوں اور زمینوں میں جتنے ہیں وہ سب اس رحمن کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔ بیشک وہ ان کا شمار جانتا ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے۔ اور سب کے سب قیامت میں اس کے حضور تنہا حاضر ہوں گے۔“

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ وَيَتَّقِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ.

(نور-۵۲)

”اور جو اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔“

اس آیت میں طاعت کا اللہ نے اپنے لئے اور رسول کے لئے حکم دیا ہے لیکن خشیت و تقویٰ کو اللہ نے اپنے لئے خاص کر دیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ . (توبہ-۵۹)

”اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا ہے۔“

وَقَالُوا احْسِبْنَا اللَّهُ مُبْتَزِّينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ

رَاغِبُونَ (توبہ-۵۹)

”اور کہتے ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا

رسول۔ ہمیں اللہ ہی سے رغبت ہے۔“

مذکورہ دونوں آیات میں پہلی آیت کے اندر ایماء اللہ و رسول دونوں کے لئے ہے

اور دوسری آیت میں توکل و رغبت کو اللہ کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔

(کذا فی الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۱۱ . ص ۹۸)

نبی کریم سے طلب و استعانت صحابہ کرام

گزشتہ سطور میں ہم لکھ چکے ہیں کہ استعانت و استغاثہ و طلب و سوال و نداء میں

اصل یہ ہے کہ اللہ سمجھ و تعالیٰ سے ہو کیوں کہ وہی معین و معیث و مجیب ہے۔ جیسا کہ اس کا

ارشاد ہے۔ وَقَالَ رَبُّكُمْ اِذْ عَوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ. (مومن-۶۰)

”اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔“

جو شخص کسی زندہ یا وفات یافتہ سے استعانت یا استغاثہ یا طلب یا سوال یا نداء

کرے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ جسے نداء دے رہا ہے اور استعانت وغیرہ کر رہا ہے وہ

بالذات مالک نفع و ضرر ہے تو ایسا شخص مشرک ہے۔

لیکن اللہ نے مخلوق کو اس کا اذن دے رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد لیں۔

ایک دوسرے سے استغاثہ و استعانت کریں۔ اور یہ بھی حکم دے رکھا ہے کہ جس سے

استعانت کی جائے وہ اعانت کرے جس سے اتغاثہ کیا جائے وہ فریادری کرے۔ جسے پکارا

جائے وہ اسے سنے اور مدد کرے۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کی جائے ضرورت مند کی اعانت کی جائے اور دوسروں کی پریشانیاں دور کی جائیں۔ اور جن انبیاء و صالحین کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنا کر فریادری و دفع بلاء کے لئے ان سے استغاثہ کیا جاتا ہے ان سب کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و حیثیت سب سے عظیم و جلیل ہے۔

یوم قیامت سے بڑھ کر آفت و مصیبت کا اور کون سا دن ہوگا جس کا دن بڑا ہی لمبا ہوگا۔ ہر طرف ہجوم خلق ہوگا۔ گرمی اور پسینہ سے کروڑوں مخلوق کا برا حال ہوگا۔ لیکن اس ہولناک مصیبت کے باوجود لوگ بارگاہ الہی میں استغاثہ کے لئے صالحین و ابراہر کو وسیلہ بنائیں گے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ایسے عالم میں حضرت آدم سے استغاثہ کریں گے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ استغاثہ کا استعمال کیا ہے جو صحیح بخاری موجود ہے۔

صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت و استغاثہ کرتے تھے۔ طلب شفاعت کرتے تھے۔ مرض و محتاجی، قرض و مصیبت اور ہر آزمائش و بے بسی کے وقت آپ سے عرض حال کیا کرتے تھے۔ آلام و شدائد کے وقت آپ کے دربار میں پہنچ کر فریادری کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور ان سارے مواقع پر صحابہ کرام کا یہی عقیدہ ہوا کرتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نفع و ضرر میں واسطہ و سبب ہیں فاعل حقیقی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔



## چند واقعات طلب واستعانت صحابہ کرام

### ابو ہریرہ کی شکایت نسیان

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ حدیث شریف سن کر وہ بھول جاتے ہیں۔

انہوں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ سے بہت کافی حدیثیں سنتا ہوں مگر انہیں بھول جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ بھولنے نہ پاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر کو پھیلا دیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے چادر میں ہوا بھینکی اور حکم دیا کہ اسے اپنے سینے سے لگا لو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ فما نسيت شيئا۔ پھر میں کچھ بھی نہیں بھولا۔

(رواہ البخاری فی کتاب العلم باب حفظ العلم رقم الحديث ۱۱۹)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ابو ہریرہ یہی تو طلب کر رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہ بھولوں۔ میرے اوپر نسیان نہ طاری ہو۔ اور یہ ایسی طلب ہے جس کی تکمیل پر صرف اللہ وحدہ لا شریک قادر ہے۔ لیکن نبی اکرم نے ابو ہریرہ کو نہ برا بھلا کہا نہ یہ فرمایا کہ تم شرک کر رہے ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مؤحد جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی جاہ و عزت والے بندے سے کچھ طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مقرب بندہ کسی چیز کی تخلیق کرے اور خود سے کچھ کرے اور اس طالب کا اس کے بارے میں ایسا عقیدہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتا ہے اور بے اذن الہی کچھ کر سکتا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے

کہ اللہ رب العزت نے اسے دعا کی جو قدرت دے رکھی ہے اور اپنی مشیت کے مطابق جتنے تصرف کی قوت دے رکھی ہے اس دعا و تصرف سے وہ سبب و ذریعہ بن جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ کی طلب پوری کر دی۔ اور اس روایت میں کہیں نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی دعا کی۔ بلکہ انہوں نے ہاتھوں میں ہوالے کرا سے ان کی چادر میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے سینے سے لگالیں۔ اور پھر یہی چیز اللہ کے فضل سے ان کے لیے تکمیل حاجت کا سبب بن گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم مجھ سے سوال کیوں کر رہے ہو۔ اللہ تم سے زیادہ قریب ہے اس سے سوال کرو۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حوائج کی تکمیل میں معتد اور مجاہد و ایصال و ہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں امور و معاملات کی کنجیاں ہوں۔ تو یہاں ھقیقۃً طلب اللہ عز و جل سے ہے اور مجازاً عرض حاجت نبی اکرم سے ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ سے زیادہ قریب ہیں اور بارگاہ الہی میں انہیں قدر و منزلت حاصل ہے۔

### قنادہ کا استغاثہ

قنادہ بن نعمان کی آنکھوں کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آ گیا تھا جسے لوگوں نے کاٹ کر الگ کر دینا چاہا۔ قنادہ نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ پہلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں اس کے بعد کچھ ہو سکتا ہے۔ پھر قنادہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں پھر اپنی ہتھیلی ان کی آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ کر اسے کچھ اشارہ کر کے جنبش دی تو وہ بالکل اپنی پرانی حالت میں آ گئی اور دوسری آنکھ سے بھی زیادہ صحیح ہو گئی۔ رواہ البغوی و ابو یعلیٰ و اخرجہ الدارقطنی و ابن شاہین و البیہقی فی الدلائل۔ وقلھا الحافظ ابن حجر فی الاصابة ج ۳ ص ۲۲۵۔ و الحافظ الہیثمی فی

مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۷ والحافظ السيوطي في الخصائص الكبرى.

## ایک صحابی کی استعانت

محمد بن عقبہ بن شریل سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے دادا عبدالرحمن سے روایت کی۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں زخم نکل آیا تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس زخم کی وجہ سے اتنا درم ہو گیا ہے کہ نہ تلواریں کا دستہ پکڑا جاتا ہے نہ سواری کی لگام پکڑی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب پہنچا۔ آپ نے اس زخم کو کھول کر میری ہتھیلی پر پھونک ماری پھر اپنا دست شفا اس زخم پر رکھ دیا اور اسے اپنی ہتھیلی سے ملتے رہے۔ اور جب اپنا ہاتھ آپ نے اٹھایا تو میری ہتھیلی پر زخم کا اثر بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ ”رواہ الطبرانی و ذکرہ الحافظ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸۔“

## معاذ کی طلب

غزوہ بدر میں دوران جنگ عکرمہ بن ابی جہل نے معاذ بن عمرو بن جموح کے شانے پر تلواریں ماری۔

معاذ کہتے ہیں۔ تلواریں ضرب سے میرا ہاتھ کٹ کر پہلو کی کھال کے ساتھ لٹک گیا جس کی وجہ سے اس سے لڑائی جاری رکھنا میرے لئے دشوار ہو گیا پھر بھی میں نے اسے دن بھر گھسیٹتے ہوئے جہاد کیا، لیکن جب تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس کئے ہوئے ہاتھ پر میں اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو گیا اور کھینچ کر میں نے اسے الگ کر دیا۔

مواہب اللدنیہ میں ہے۔ معاذ بن عمرو اپنا وہ ہاتھ جسے عکرمہ بن ابی جہل نے تلواریں مار کر زخمی اور تقریباً الگ کر دیا تھا۔ اس ہاتھ کا لٹکائے ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جیسا کہ قاضی عیاض نے ابن وہب سے بیان کیا ہے۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کٹے ہوئے ہاتھ پر لعاب دہن لگا دیا اور وہ ہاتھ دوبارہ جڑ گیا۔ ذکر هذه القصة الزرقانی و اسندھا الی ابن اسحاق و من طریقہ الحاکم۔

### خشک سالی میں آپ کے تو سُل سے استعانت و استغاثہ

بہت سی احادیث و آثار میں وارد ہے کہ جب خشک سالی ہوتی اور بارش بالکل رک جاتی تو صحابہ کرام دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تاکہ آپ بارگاہ الہی میں ان کے لیے وسیلہ بن جائیں۔ شفیع بن جائیں۔ فریادری کریں اور ان کی طلب پوری ہو۔ جو حالات ہوتے اسے وہ سبھی اصحاب آپ سے بیان کرتے اور جو بھی شر و بلاء نازل ہوتی اس کے ازالہ کی درخواست کرتے۔

ایک بار جمعہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی فریاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اموال ہلاک ہوئے۔ راستے بند ہو گئے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تو بارش ہونے لگی اور دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔

وہ اعرابی آ کر پھر کہنے لگا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مکانات گرنے لگے۔ راستے بند ہونے لگے۔

موسیٰ ہلاک ہونے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعاء فرمائی تو بادل چھٹ گیا اور بارش صرف مدینہ کے ارد گرد ہونے لگی (یعنی مدینہ اس طوفانی بارش سے محفوظ ہو گیا) رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا۔ وروی ابو داؤد بسند جيد عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت شکا الناس الی رسول اللہ قحط المطر۔ رواہ ابو داؤد فی کتاب الصلوة ابواب الاستسقاء۔ واخرج البيهقي فی دلائل النبوة عن انس۔ بسند ليس فيه متهم بالوضع وانظر فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵۔

انس بن مالک سے روایت ہے۔ ایک اعرابی حاضر بارگاہ رسالت ہوا اور عرض کرنے لگا کہ بچے اور ادھ بھوک پیاس سے بد حال ہیں۔ پھر یہ اشعار پڑھنے لگا۔

اتیناک والعذراء تدمی لسانها

وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم اس حال میں حاضر خدمت ہوئے کہ دو شیرازوں کے پستان سے خون نکل رہا ہے اور مائیں اپنے بچوں سے غافل ہو چکی ہیں۔

والقی بکفیہ الفتی استکانة

من الجوع ضعف ما یسر ولا یحلی

اور نو جوان جنہیں بھوک کی ناتوانی سے کچھ اچھا نہیں لگتا وہ لاغر ہو کر بے سدھ پڑے ہوئے ہیں۔

ولاشنی مما یاکل الناس عندنا

سوی الحنظل العامی والعلین الفسل

سوائے کڑوے کیلے ردی حنظل و عھز کے ہمارے پاس کچھ نہیں جسے لوگ کھا سکیں۔

ولیس لنا الا الیک فرارنا

وابن فرار الناس الا الی الرسل

یا رسول اللہ! ہماری پناہ گاہ تو صرف آپ ہیں۔ اور رسولوں کے علاوہ لوگ کہاں پناہ ڈھونڈھیں؟

اس اعرابی کی فریاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے منبر تک گئے اور اس پر چڑھ کر ہاتھ اٹھا کر یہ دعاء فرمائی۔

”اے اللہ! ہمیں خوب اچھی موسلا دھار نفع بخش غیر مضر خوشگوار بارش سے بلاتا خیر سیراب فرما جس سے تھن بھر جائیں۔ کھیتی لہلہا اٹھے۔ مردہ زمین زندہ و شاداب ہو جائے۔“

انس بن مالک نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ابھی دعاء ہی کی حالت میں تھا کہ خوب موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لوگ سیلاب سے تنگ آ کر بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے۔ اور آپ نے پھر دعاء فرمائی حوالینا ولا علینا۔ ہمارے ارد گرد بارش ہو ہم پر بارش نہ ہو۔ اس دعاء سے مدینہ سے بادل چھٹ گیا۔

مذکورہ دعاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیث مغیث نافع غیر ضار وغیرہ فرمایا۔ نفع و افادہ کیا اسناد غیث کی طرف ہے جو بطور مجاز ہے۔ اسی طرح اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء دیتے ہوئے یہ کہا ہے۔ ولیس لنا الا الیک فرارنا۔ لیکن اسے مشرک نہیں کہا گیا۔ کیوں کہ اس میں قصر محض اضافی ہے۔ جب کہ قرآن حکیم کا یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ ففِرُّوا إِلَى اللَّهِ. (ذریعہ ۵۰) ”تو اللہ کی طرف پناہ ڈھونڈھو۔“

اعرابی کے پورے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ فرار (پناہ) صرف آپ کی طرف مفید ہے۔ دوسرے کے دروازے کی طرف نہیں۔ اور سولوں ہی کی طرف فرار کا رخ ہونا چاہیے دوسروں کی طرف نہیں کیوں کہ یہ مرسلین کرام ان سب نفوس قدسیہ میں افضل و اعلیٰ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کیا جاتا ہے۔ اور ان سب میں اعظم و اکرم ہیں جن کی بدولت رب کائنات فریادیوں اور پناہ ڈھونڈنے والوں کی حوائج و ضروریات پوری فرماتا ہے۔

اور ذرا اس منظر پر بھی غور کیجئے کہ اعرابی کی اس منظوم فریاد کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے متاثر ہوئے اور کتنی جلدی اس کی فریاد رسی و اعانت فرمائی کہ فوراً اٹھ کر منبر تک پہنچے اور چادر گھسٹی جا رہی تھی۔ فریادی کی مدد کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ چادر کو بدن پر ٹھیک سے رکھ لینے کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔ علیہ و علیٰ آلہ الفضل الصلوٰۃ والسلام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے بلجا و ماویٰ

حسان بن ثابت انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء و خطاب کرتے ہوئے آپ کو رکن معتمد اور بلجا و ماویٰ قرار دیا ہے۔

بارگاہ رسول میں حسان بن ثابت عرض کرتے ہیں۔

بَارَكْنَ مَعْتَمِدَ وَعَصْمَةَ لَا نَزْ

وَمَلَاذِمَتَجْعَ وَجَارَ مَجَاوِرَ

اے سہارا ڈھونڈنے والے کے لئے مضبوط ستون اور پناہ ڈھونڈنے والے کی پناہ گاہ! مدد چاہنے والے کے لئے ٹھکانہ اور پڑوس کے لئے بہترین پڑوسی۔

يَا مَنْ تَخَيَّرَهُ الْإِلَهُ لَخَلْقِهِ

فَحَبَّاهُ بِالْخَلْقِ الزَّكِيِّ الطَّاهِرِ

اے وہ ذات گرامی! جسے اللہ نے اپنے مخلوق کے درمیان چن لیا ہے اور صاف ستھرے اخلاق سے نوازا ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ وَخَيْرَ عَصَبَةِ آدَمَ

يَا مَنْ يَجُودُ كَفَيْضٍ بِحَرِّ زَاخِرٍ

خدائے عزیز و قادر کی طرف سے نصرت کے لئے جبریل و میکائیل دونوں بطور مدد آپ کے ساتھ ہیں۔ (الاصابة ۲۶۳/۱۔ الروض الانف ۹۱/۲)

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے کبھی اتار دیا ہوتا ہوئے نہیں دیکھا جتنا حمزہ بن عبدالمطلب کی موت پر آپ روئے ہیں۔ آپ کے جنازہ کو قبلہ رو کر کے اس کے پاس کھڑے ہو کر پھوٹ پھوٹ کر اور سسکیاں لے لے کر آپ رونے لگے اور پھر کہنے لگے۔

اے حمزہ! اے عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اے شیر خدا! اے شیر رسول! اے حمزہ! اے فاعل الخیرات (بھلائیاں کرنے والے) اے حمزہ! اے کاشف الکربات (پریشانیاں دور کرنے والے)۔ اے رسول اللہ کی طرف سے اطلاع کرنے والے! اھ۔ عند ابن شاذان من حدیث ابن مسعود۔ من المواهب اللدنیۃ ج ۱ ص ۲۱۲۔

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ و استعانت عرض حاجت و طلب شفاعت وغیرہ صرف آپ کی حیات میں جائز و صحیح ہیں موت کے بعد تو کفر ہیں۔ یا کچھ نرم ہوا تو یہ کہے کہ غیر مشروع یا ناجائز ہیں۔



تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ قائل کے مطابق اگر توسل و استغاثہ کے لئے زندگی ہی شرط ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اسی طرح اللہ کے دوسرے نیک اور صالح بندے بھی زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے توسل و استغاثہ صحیح ہونے کے لئے کوئی فقیہ اگر صرف اسی قیاس پر اکتفاء کر لے کہ آپ کی دنیوی حیات میں آپ سے توسل و استغاثہ صحیح ہے تو اس کا یہ قیاس اپنی جگہ درست بھی ہے اور کافی بھی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی الدارین ہیں۔ بعد واصل بھی زندہ اور اپنی امت کے حالات سے باخبر ہیں۔ باذن اللہ وہ معاملات و مسائل امت میں متصرف ہیں۔ آپ پر درود بھیجنے والے امتی کا سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور اپنی کثرت کے باوجود آپ کی امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے۔

عالم ارواح بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ خصائص ارواح عالیہ کے بارے میں جن اصحاب علم کا وسیع مطالعہ ہے۔ ان کا دل اس حقیقت پر ایمان لانے کے لئے وسیع نظر آئے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو روح الارواح اور نور الانوار ہیں وہ ان خصائص کے افضل و اعلیٰ مدارج و مراتب سے متصف ہیں۔

مکرمین کے خیال فاسد کے مطابق اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یا توسل یا طلب شفاعت شرک و کفر ہے تو آپ کی حیات دنیوی و حیات اخروی و یوم قیامت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ناجائز ہے۔ کیوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے نزدیک ہر حال میں شرک مذموم و معیوب ہے۔

ایک باطل خیال

مردہ شخص کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ اسے کسی چیز کی قدرت نہیں۔ غلط اور

باطل ہے۔ اگر یہ دعویٰ اس اعتقاد کی بنیاد پر ہے کہ مردہ مٹی بن جاتا ہے۔ تو یہ عین جہل ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ رب العزت کے ارشاد سے حیات ارواح کا ثبوت و بقاء واضح ہے کہ جسم سے جدا ہو کر روح باقی رہتی ہے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر ارواح کو آواز دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا عمرو بن ہشام و یا عتبہ بن ربیعہ و یا فلان بن فلان انا وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً فهل وجدتم ما وعد ربکم حقاً۔

اے عمرو بن ہشام! اے عتبہ بن ربیعہ! اے فلاں بن فلاں ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟  
کچھ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ کیا؟

آپ نے ارشاد فرمایا۔ وما انتم بما سمع مما اقول منهم۔ تم لوگ میری باتیں ان مردوں سے زیادہ نہیں سن پاؤ گے۔

اسی طرح آپ نے اہل قبور کو ندا دیتے ہوئے انہیں سلام فرمایا۔ السلام علیکم یا اهل الدیار۔

اسی طرح قبر میں روحوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور انہیں عذاب بھی دیا جاتا ہے۔  
روحیں گھروں میں بھی آتی جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے دلائل و براہین بھی حیات ارواح کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسلام و اہل اسلام اسے بعد وفات بھی باقی مانتے ہیں۔ اسی طرح فلسفہ قدیم و جدیدہ کے نزدیک بھی حیات ارواح ثابت ہے۔

منکرین حیات ارواح سے یہاں ہمارا صرف ایک سوال ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ شہداء اپنے رب کے پاس زعمہ ہیں۔ یہ منکرین اس

قرآنی ارشاد کو مانتے ہیں یا نہیں؟

اگر نہیں مانتے تو پھر ایسے بد نصیبوں سے ہم کوئی بات نہیں کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ وہ ان قرآنی آیات کی تکذیب کر رہے ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ. (بقرہ-۱۵۴)

”اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں شعور نہیں۔“

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُورْثُونَ. (آل عمران-۱۶۹)

”اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں مردہ نہ سمجھو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔“

اور اگر وہ حیات شہداء کے قائل ہیں تو ان سے ہم کہیں گے کہ انبیاء و مرسلین کرام اور بہت سے صالحین و ابرار جو شہید نہیں مثلاً اکابر صحابہ وغیرہ وہ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں۔ اور جب حیات شہداء ثابت ہے تو شہداء سے افضل نفوس قدسیہ کی حیات یقیناً ثابت ہے۔ اور حیات انبیاء کی تو احادیث صحیحہ میں تصریح بھی ہیں۔

دلائل قطعیہ سے جب حیات ارواح ثابت ہے تو اب ثبوت حیات کے بعد اس کے خصائص کا اثبات ہی باقی رہ جاتا ہے۔ کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے۔ ثبوت ملزوم موجب ثبوت لازم اور نفی ملزوم موجب نفی ملزوم ہے۔

ہر انسان جسم و روح کا مرکب ہے۔ اور ہر آدمی ایک دوسرے سے استعانت کرتا ہے یا ملائکہ سے استعانت کرتا ہے۔ تو پھر ارواح صالحین کو وسیلہ بنا کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے

استمداد و استعانت کے لئے مانع عقلی کیا ہے؟

تصرفات ملائکہ کے لئے جس طرح کسی آلہ وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح تصرفات ارواح کا بھی معاملہ ہے۔ ہمارے دنیاوی قوانین تصرفات وہاں نہیں چلتے کیوں کہ وہ ایک دوسرا عالم ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي. (اسراء ۸۵)  
 ”اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہو روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔“

بلاشبہ ارواح کو اتنی آزادی ہے کہ وہ زندوں کے برابر بلکہ ان سے زیادہ بتی کسی پکارنے والے کی پکار سن سکتے ہیں اور مدد چاہنے والے کی مدد کر سکتے ہیں۔  
 منکرین حیات ارواح اگر یہ کہیں کہ ہم تو صرف محسوسات کو جانتے ہیں اور مشاہدات ہی کو مانتے ہیں۔ تو یہ نیچریوں کا دھڑلہ ہے اہل ایمان کا نہیں۔

یہاں ہم علی سبیل التزل تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لیں کہ جسم سے جدا ہو کر روح کے اندر کوئی کام کرنے کی قدرت باقی نہیں رہ جاتی۔ تو برائے بحث ان کی یہ بات تسلیم کر کے بھی ہم یہ کہیں گے کہ جن انبیاء و اولیاء سے مدد مانگی جاتی ہے ان کی مدد اس عالم کے تصرف ارواح کی طرح نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے زائر یا استغاثہ کرنے والے کی مدد دعاء کے ذریعہ کرتے ہیں۔ جیسے کوئی مرد صالح کسی دوسرے کے لئے دعا کرتا ہے۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے فاضل مفضول کے لئے دعا کرے۔ یا کم از کم ایسے ہے جیسے بھائی بھائی کے لئے دعا کرے۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ زندہ ہیں۔ احساس و شعور اور علم رکھتے ہیں۔ بلکہ بدن سے جدا ہو کر ان ارواح کا علم و شعور زوال حجابات خاکی و عدم

منازعات شہوات بشری کے باعث کچھ اور زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ بلکہ کافی اضافہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔

احادیث کریمہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال امت پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں آپ خیر پاتے ہیں تو اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ پر استغفار کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حقیقۂ مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے۔ البتہ سائل اپنی فریادری اور امداد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بناتا ہے۔ فاعل حقیقی اللہ ہی ہے۔ سائل مقربین و صالحین کو بارگاہ الہی میں محض وسیلہ اور واسطہ بناتا ہے۔ گویا سائل بارگاہ الہی میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! میں فلاں کو محبوب رکھتا ہوں اور وہ تیرا صالح بندہ ہے۔ اس کے ذریعہ تو میرے اوپر رحم فرما۔ اور رب کائنات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء و اولیاء و علماء کے صدقہ میں بے شمار انسانوں کو اپنے رحم و کرم سے نوازتا بھی ہے۔

مختصر یہ کہ بعض صحابہ و عشاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں بلکہ بہت سے بندوں پر بہت سے صالحین کے توسل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام و اکرام ایک امر معروف ہے جس سے سبھی مسلمان واقف ہیں۔

زندہ مسلمان اپنے مرحومین کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ترقی درجات کی دعاء کرتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم ان کے لئے سفارش کرتے ہیں تو ہماری سفارش قبول فرما۔ یہ بھی بندوں کے ذریعہ بندوں کی مدد کا ایک شرعی طریقہ ہے۔

## کیا غیر مقدور عبد کی طلب شرک ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل و طلب کرنے والے اہل ایمان کی تکفیر کرنے والوں کا ایک باطل دعویٰ یہ بھی ہے کہ:

لوگ وفات یافتہ انبیاء و صالحین سے ایسی چیزیں طلب کرتے ہیں جن کی قدرت اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لئے یہ طلب شرک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف و اخلاف کے مسلک پر بدگمانی اور کج فہمی کے سوا اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

انبیاء و صالحین کو مسلمان وسیلہ و سبب بناتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو مراد مانگی جا رہی ہے اسے پوری کرنے میں یہ سبب بن جائیں۔ ان کی دعاء و شفاعت اور توجہ کے سبب اللہ تعالیٰ مراد پوری فرمادے۔

اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نابینا صحابی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آپ کو وسیلہ بنایا اور اللہ سے طلب و استغاثہ میں آپ وسیلہ بنے۔ باذن اللہ وہ مراد پوری بھی ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا صحابی سے نہیں فرمایا کہ تم نے مجھ سے یہ طلب و توسل کر کے شرک کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے خوارق عادات کی طلب مثلاً علاج مرض سے بغیر دوا کے شفا یابی، بغیر بادل کے بارش برسانا، بصارت واپس کر دینا، اگلیوں سے پانی کا فوارہ جاری کرنا، تھوڑے سے کھانا کو زیادہ بنادینا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں عادتاً انسانی قدرت سے باہر ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیزیں مانگی گئیں اور آپ کے توسل و توسط سے صحابہ کرام کو یہ چیزیں ملیں۔ کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا۔ تم نے مجھ سے ایسی چیزیں طلب کی ہیں جن پر صرف اللہ قادر ہے۔ اس لئے تم مشرک ہو گئے۔ تمہارے لئے تجدد اسلام

ضروری ہے۔

کیا یہ آج کے علمبرداران توحید معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ حقیقت توحید سے واقف ہیں؟ عالم تو درکنار کوئی جاہل مسلمان بھی کبھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔

اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے اپنے دربار میں موجود جن و انس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ. (نمل۔ ۳۸)

اے درباریو! تم میں کون اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہو کر میرے حضور حاضر ہوں۔

حضرت سلیمان ملک شام میں رہ کر ملک یمن کی ملکہ سبا کا تخت بطور خرق عادات اپنے دربار میں لانے کا مطالبہ فرما رہے ہیں تاکہ یہ عمل ملکہ سبا کے لئے ایک نشانی بن جائے جو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے رہی تھی۔

ایک بڑے طاقت ور جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا۔

أَنَا إِلَيْكَ بِهَ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ. (نمل۔ ۳۹)

”میں اس کا تخت آپ کے پاس حاضر کر دوں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنا اجلاس برخاست کریں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ تو دربار میں موجود ایک صاحب علم کتاب انسان جو صدیقین میں سے تھا اس نے کہا۔

أَنَا إِلَيْكَ بِهَ قَبْلَ أَنْ يُرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ. (نمل۔ ۴۰)

”میں اس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔“

یعنی اگر آپ مجھے بھیجیں تو میں پلک جھپکتے ہی ملکہ سبا کا تخت آپ کے دربار میں حاضر کر دوں۔ اور جب حضرت سلیمان نے اس انسان کو حکم دیا تو اس نے پلک جھپکتے ہی اس تخت کو آپ کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔

اس طرح تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا صرف اللہ کی قدرت ہے۔ اور عادۃً مقدور جن و انس سے باہر ہے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے اس کا مطالبہ کیا۔ اور ایک صدیق نے آپ کے حکم پر عمل بھی کیا۔ تو کیا اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے اپنی اس طلب سے کوئی کفر کیا؟ اور ان کی طلب کو عملی شکل دے کر اللہ کے ایک ولی نے شرک کیا۔ حاشا دکلا۔

یہ نسبت فعل بطور مجاز عقلی ہے۔ اور جائز ہے بلکہ رائج ہے۔

اگر اب بھی کوئی پہلو مخفی رہ گیا ہے تو ہم اس کی مزید وضاحت کر دیتے ہیں کہ لوگ انبیاء و اولیاء سے بارگاہ الہی میں وسیلہ بننے اور شفاعت کرنے کی طلب کرتے ہیں جس پر اللہ نے انہیں قادر بنایا ہے۔

بالفرض کوئی شخص کہے۔ اے اللہ کے نبی! مجھے شفا دیجئے اور میری مراد و ضرورت پوری کیجئے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ کی بارگاہ الہی میں شفاعت کیجئے اور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے شفا دے اور میری مراد پوری فرمائے۔ اگر اس نبی نے بارگاہ الہی میں دعا و شفاعت کی تو اس دعا و شفاعت پر اللہ نے اس نبی کو قادر بھی بنایا ہے۔

یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور کلام میں مجاز عقلی تو خود قرآن میں ہے۔ مثلاً:

مُبْحَنُ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ. (یس۔ ۳۶)

”پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین



اگاتی ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی مجاز عقلی موجود ہے۔ مثلاً.....  
ان معاینات الربیع الخ۔

اللہ کے کلام میں رسول کی احادیث میں اور عوام و خواص کی بول چال میں مجاز عقلی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

مومن موحّد کی زبان سے اس کا استعمال اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اسے مجاز ہی بول رہا ہے۔ اور اس میں کسی طرح کا کوئی سوء ادب بھی نہیں ہے۔ اس موضوع پر اسی کتاب کے ایک باب میں ہم بحث بھی کر چکے ہیں۔

اللہ ہی سے سوال واستعانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اذا سألت فاستل الله و اذا استعنت فاستعن بالله - رواه الترمذی  
و صححه عن ابن عباس مرفوعاً. ” صرف اللہ سے سوال کرو اور اسی سے استعانت کرو۔“

بہت سے لوگ اس حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ پاتے۔ اور وہ اس سے استدلال کر ڈالتے ہیں کہ مطلقاً ہر طرح کا سوال واستعانت صرف اللہ سے ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے سوال واستعانت شرک ہے۔ اور کسی غیر اللہ سے سوال واستعانت کرنے والا خارج از دین ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسباب کا استعمال اور ان سے استعانت کوئی چیز نہیں۔ اور ساتھ ہی ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص استعمال اسباب کے سلسلے میں وارد بہت سے نصوص کا بھی اپنے اس خیال کے ذریعہ انکار کر دیتا ہے۔

حالانکہ اس حدیث مبارک کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ غیر اللہ سے سوال واستعانت

مطلقاً ممنوع ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مقصود یہ ہے کہ اسباب کے ذریعہ ظہور پذیر ہونے والے امور خیر ھیتۃ اللہ کی جانب سے ہیں۔ مخلوقات کے ذریعہ جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں اس لیے سوال و استعانت کرنے والا شخص اسباب و مخلوقات پر نہیں بلکہ اصلاً خالق اسباب و رب مخلوقات پر بھروسہ رکھے اور اپنے آپ کو اسی کا محتاج سمجھے۔ سارا اعتماد اللہ ہی پر رہے اور اسباب میں الجھ کر مسبب الاسباب کو نہ بھولنے پائے۔ اشیاء کے ظاہری ارتباط و تعلقات سے جو مطلوبہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ان سے آگے بڑھ کر اس ذات قادر و قیوم کی نظر رحمت کی طرف لو لگائے رکھے جس نے ان اشیاء اور ان کے نتائج کے درمیان ربط پیدا کیا ہے۔

اس مقصود و مفہوم کی طرف خود اسی حدیث میں آگے چل کر اس طرح اشارہ فرما دیا گیا ہے۔

واعلم ان الامة لو اجتمعت على ابن ينفعوك لم ينفعوك  
الا بشئى قد كتبہ اللہ لك. وان اجتمعت على ان يضروك بشئى لم  
يضروك الا بشئى قد كتبہ اللہ عليك.

”اور جان لو کہ سبھی لوگ مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اگر سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں خود اپنی مراد واضح کر دی ہے کہ لوگ نفع و ضرر پہنچا سکتے ہیں مگر صرف اسی حد تک جس حد تک اللہ نے بندے کے لئے نفع پہنچانا یا نقصان پہنچانا مقدر کر رکھا ہے۔

کتاب وسنت میں جب استعانت بغیر اللہ کا حکم موجود ہے تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ**. (بقرہ-۱۵۳)

(ترجمہ) ”اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **وَاعْلَمُوا لَهُمْ مَا اسْتَغْنَتْكُمْ مِنْ قُوَّةٍ**. (انفال-۶۰)

(ترجمہ) ”اور ان کے لئے جتنی قوت ہو سکے تیار کر رکھو۔“

بندۂ صالح ذوالقرنین کی یہ استعانت قرآن میں موجود ہے۔ **اعينوني بقوة**.

صلوٰۃ خوف کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں مخلوق سے مخلوق

کی استعانت ہے۔

اسی طرح اہل ایمان کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ **وَلْيَاخُذُوا خِزْلَهُمْ**

**وَأَسْلِفَتْهُمْ**. (النساء-۱۰۲)

”اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی

ضرورت پوری کریں۔ تنگ دستوں کی مدد کریں۔ مصیبت زدوں کی فریاد سن کر ان کی

اعانت کریں اور ان کاموں میں غفلت و سستی نہ برتیں۔ اس طرح کی بہت سی احادیث

وارد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ**

**اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ**. (بخاری و مسلم) جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا

رہے گا۔ اس کی ضرورت اللہ تعالیٰ پوری فرماتا رہے گا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ **وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ**

اخیرہ۔ (مسلم و ابو داؤد وغیرہ) ”اللہ تعالیٰ بندے کی مدد فرماتا رہے گا جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔“

اور ارشاد فرمایا۔ ان لله خلقا خلقهم لحوائج الناس يفرع الناس اليهم في حوائجهم، اولئك الامنون من عذاب الله.

”اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیدا فرمایا لوگ اپنی ضروریات کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں۔ یہی لوگ عذاب الہی سے مامون ہیں۔“

دیکھئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ يفرع الناس اليهم في حوائجهم. لوگ اپنی ضروریات لے کر ان کے پاس جاتے ہیں۔ اور ان ضرورت مندوں کی اس طلب پر آپ نے انہیں مشرک تو کجا عاصی بھی نہیں قرار دیا۔

نیز حدیث مرفوع ہے۔ ان لله عند اقوام نعما اقرها عندهم ما كانوا في حوائج المسلمين مالم يملوهم فاذا ملوهم نقلها الى غيرهم. اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو اپنی نعمتیں دے رکھی ہیں جب تک وہ بقیہ کسی اکتاہٹ کے دوسروں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ یہ نعمتیں ان کے پاس رہتی ہیں۔ پھر جب وہ ان ضرورت مندوں سے اکتا جاتے ہیں تو یہ نعمتیں دوسروں کی طرف منتقل کر دی جاتی ہیں۔

اور آپ نے فرمایا۔ ان الله اقواما اختصهم بالنعمة لمنافع العباد. يقرهم فيها ما بهد لوها. فاذا منعوها نزعها منهم فحولها الى غيرهم. ”رواہ ابن ابی الدنیا۔ قال الحافظ المنذرى : و لو قيل بتحسين مسنده لكان مهكنا.“

اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے لئے نعمتیں خاص کر رکھی ہیں جن سے وہ بندوں کو

فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ نعمتیں ان لوگوں کے اندر اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ انہیں صرف کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب وہ یہ نعمتیں روک لیتے ہیں تو وہ دوسروں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”لان یمشی احدکم مع اخیه فی قضاء حاجتہ. و اشار باصبعہ. الفضل من یعتکف فی مسجدی هذا شہرین.“ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد.

اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کی راہ میں قدم بڑھانا میری اس مسجد میں دو ماہ کے اعتکاف سے افضل ہے۔ فی قضاء حاجتہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ و اذا سالت فاسال اللہ. اور جب سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو۔

اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ غیر اللہ سے کسی طرح کا سوال یا توسل جائز نہیں یہ محض ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء و صالحین کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنانے سے اللہ کی خیر و برکت نازل ہوتی ہے اور انہیں وسیلہ بنانے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ سے خیر و برکت عطا فرمائے یا شر و فساد کو دور رکھے۔ تو توسل وہ سبب اختیار کرتا ہے جسے اللہ نے بندوں کی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کے توسط سے اللہ مرادیں پوری فرماتا ہے۔ اس طرح سبب سے یہ اصلاً کوئی سوال نہیں بلکہ خالق اسباب سے سوال ہے۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میری بصارت واپس آ جائے یا بلاء مجھ سے دور ہو جائے۔ یا مجھے مرض سے شفاء مل جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے واسطہ سے اللہ

ہی سے مانگ رہا ہے۔ اسی سے سوال کر رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے۔ میرے لئے دعاء کیجئے۔ یا میرے لئے شفاعت کیجئے۔ تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے مقابلہ میں سائل کی مراد زیادہ واضح کر رہا ہے۔ اسی طرح متوسل کا یہ کلام اور زیادہ واضح ہے۔ اے اللہ! تیرے نبی کے صدقہ میں تجھ سے سوال کر رہا ہوں کہ فلاں آسانی پیدا فرما جو میرے لئے نفع بخش ہو۔ یا جس سے میں شردور کروں۔ اب ان ساری صورتوں میں متوسل وسائل صرف اللہ سے اپنی حاجت کے بارے میں عرض و سوال کر رہا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ و اذا مسالت فاستل اللہ سے منع توسل پر استدلال اور غیر اللہ سے سوال کی عدم صحت کا مطلب نکالنا غلط اور بے بنیاد ہے۔

خود اسی حدیث میں اس غلط استدلال کا جواب بھی ہے۔ راوی حدیث ابن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا شوق دلاتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات سکھا دوں جن کے ذریعہ اللہ تمہیں نفع پہنچائے؟ سوال کے لئے تشویق و ترغیب کا اس سے بہتر اسلوب اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس ترغیب سوال پر ابن عباس نے کہا۔ ہاں! مجھے سکھا دیں۔ اس سوال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اذا مسالت فاستل اللہ۔

منکرین سوال و توسل کے وہم و خیال کو بالفرض تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے تو کوئی جاہل کسی عالم سے کسی طرح کا سوال نہیں کر سکتا۔ کسی ہلاکت و بربادی کا شکار کوئی شخص کسی بچانے اور مدد کرنے والے سے سوال نہیں کر سکتا۔ کوئی قرض خواہ کسی قرضدار سے سوال نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی قرض لینے والا کسی سے قرض کا سوال ہی کر سکتا ہے۔ قیامت

کے دن انبیاء سے شفاعت کا سوال نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی حضرت عیسیٰ بن مریم کے لئے یہ عمل صحیح ہوگا کہ وہ اہل محشر کو سوال شفاعت کے لئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی چیزوں کا سوال غلط اور ناجائز ہو جائے گا۔

اگر یہ منکرین کہیں کہ سوال سے مراد وہ سوال ہے جو وفات یافتہ انبیاء و صالحین سے ان کی برزخی حالت میں کیا جاتا ہے اور اس حالت میں انہیں کسی چیز کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس کا جواب تو دیا جا چکا ہے مگر مختصر اُدوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔

انبیاء و صالحین عالم برزخ میں زندہ ہیں اور انہیں دعاء و شفاعت کی قدرت حاصل ہے۔ اور ان کی برزخی زندگی جو ان کے شان کے لائق ہے اس میں وہ دعاء و استغفار کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ بھی پہنچاتے ہیں۔

ان باتوں کا منکر کم از کم جاہل تو ہے ہی۔ کیوں کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ وفات یافتہ اہل برزخ کو علم و سماعت اور قدرت دعاء حاصل ہے۔ اور دیگر تصرفات بھی جتنا اور جو کچھ اللہ چاہے۔ جب عام اہل ایمان کا یہ حال ہے تو انبیاء و صالحین کا کیا عالم ہوگا؟

مشہور حدیث اسراء و معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کی امامت فرمائی اور انہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ کے سامنے بیان فرمایا۔ آسمانوں میں آپ کے لئے دعا کی گئی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے مشورہ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر ہی امت محمدیہ پر پچاس وقت کی بجائے پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

صراحت و وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو منکرین سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ لوگ دوسروں سے بلا ضرورت محض حرص و

طمع میں مال حاصل کرنے سے دور رہیں۔ اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس پر قناعت کریں۔ لوگوں کے سامنے بلا ضرورت دست سوال دراز نہ کریں۔ اللہ سے اس کا فضل و عطا چاہیں۔ گریہ و زاری کے ساتھ دعا کریں۔ اللہ ان کی دعا قبول فرمائے گا۔ لیکن عام طور پر اس معاملہ میں لوگوں کا عمل بالکل برعکس ہے۔ عطاء کی تلاش میں معطلی کو اور رزق کی تلاش میں رازق سے غافل رہتے ہیں۔ اللہ یغضب ان تو کت سؤالہ۔ و بنی آدم حین یسأل یغضب اللہ سے سوال کرنا چھوڑ دیا جائے تو وہ اظہار ناراضگی فرماتا ہے اور اولاد آدم سے سوال کر دیا جائے تو اسے غصہ آ جاتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کے ہاتھ میں مال دیکھ کر تمہارا دل اس پر آ جائے تو اس سے سوال نہ کرو بلکہ اللہ سے اس کے فضل و عطاء کا سوال کرو اور اس بندہ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ اس طرح حدیث کے اندر قناعت کا درس ہے اور حرص و طمع سے دور رہنے کا سبق ہے۔

صحیح مفہوم حدیث یہی ہے۔ اب بارگاہ الہی میں انبیاء و اولیاء کا توسل یا ان سے شفاعت کا سوال ایک بالکل الگ چیز ہے اور ان کی شفاعت و توسل جو کامیابی و مراد سی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ ان چیزوں کی ممانعت کا اس حدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لیکن منکرین صرف نفسانیت کی سواری پہ چڑھ کر وساوس و ادھام کے میدان کا چکر لگاتے ہیں اور صحیح مفہوم کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

### حدیث ”انہ لایستغاث بی“ کا صحیح مفہوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق شخص اہل ایمان کی ایذا رسانی میں لگا رہتا تھا۔ ابو بکر صدیق نے لوگوں سے کہا کہ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق کے خلاف استغاثہ کرنا چاہیے۔ وہ جب نبی



اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔

انہ لا یستغاث بی وانما یستغاث باللہ۔ ”رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر۔“ مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے استغاثہ صرف اللہ سے کیا جائے۔

اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کے منکرین بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ استدلال بالکل باطل ہے۔ کیوں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری معنی لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ سے استغاثہ بالکل ممنوع ہے اور یہ مطلب فعل صحابہ کے معارض ہے۔

صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرتے تھے۔ آپ سے سیرابی چاہتے تھے آپ سے طلب دعا کرتے تھے۔ اور آپ فرح و سرور کے ساتھ ان کی اس خواہش و طلب کی تکمیل فرمایا کرتے تھے۔

ایسی صورت میں دیگر عام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کے ظاہری معنی کی مناسب تاویل کرنی ہوگی تاکہ سارے نصوص میں مطابقت اور موافقت ہو سکے۔

اس حدیث سے یہ مراد لینا صحیح ہے کہ اصل اعتقاد میں حقیقت توحید کا اثبات مقصود ہے کہ مغیث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ محض واسطہ بن سکتا ہے۔

یا اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ سے وہی چیز مانگنی چاہیے جو اس کے مقدور میں ہے۔ غیر مقدور عبد کی طلب نہ کی جائے۔ مثلاً جنت کا حصول، جہنم سے نجات، ہدایت و سعادت۔

حدیث میں ایسی کوئی تخصیص نہیں کہ استعانت و استغاثہ زندہ سے کیا جاسکتا ہے۔ وفات یافتہ سے نہیں۔ اور ظاہری معنی کے مطابق غیر اللہ سے استغاثہ ہر وقت ممنوع ہے۔

زندہ و وفات یافتہ کی کوئی تفریق نہیں۔ حالانکہ حدیث کا یہ صحیح مفہوم نہیں۔

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”کبھی کبھی اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں ایسی عبارت ہوتی ہے جس کا معنی

صحیح ہوتا ہے لیکن بعض لوگ اس عبارت سے ایسا مفہوم سمجھ لیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول

کے مراد کے خلاف ہوتا ہے۔ جیسے طبرانی اپنی معجم کبیر میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق شخص اہل ایمان کی ایذا رسانی میں لگا رہتا تھا۔ ابو بکر

صدیق نے لوگوں سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس

منافق کے خلاف استغاثہ کرنا چاہیے۔ جب ان لوگوں نے آپ کے پاس پہنچ کر عرض حال

کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”انہ لایستغاث ہی وانما یستغاث باللہ۔“

تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے کہ ان سے وہ چیز نہ طلب کی

جائے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔ ورنہ صحابہ کرام تو آپ سے طلب دعا کرتے تھے۔

آپ کے توسل سے بارش کی دعا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔

بسا اوقات شاعر کا شعر یاد کرتے ہوئے میں روئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا کرتا تھا۔ آپ دعاء استغاثہ کرتے رہتے اور اس وقت منبر سے اترتے جب پرنا لے

بنے لگتے۔ شعر یہ ہے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجه

لئمال الیتامی عصمة للارامل

آپ گورے رنگ والے خوبصورت ہیں۔ آپ کے روئے زیبا کے وسیلہ سے

بارش کی دعاء کی جاتی ہے۔ آپ یتیموں کا ٹھکانہ اور یتیموں کی پناہ گاہ ہیں۔

## استغاثہ و توسل کے بعض طریقوں پر اعتراض کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح و ستائش میں بعض الفاظ اور طریقوں پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر اس کے کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

مثلاً کہا جاتا ہے۔ لیس لنا ملاذ سوی النبی صلی اللہ علیہ.....  
ولارجاء الاھو..... وانا مستجیر بہ..... ان جملوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا  
و ماویٰ اور پناہ گاہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہ شعر بھی ہے۔

والبہ یفزع فی المصائب

وان توقف فممن اسأل

مشکلات و مصائب میں آپ کی پناہ لی جاتی ہے اور اگر آپ بھی توقف فرمائیں تو  
کس سے میں کوئی سوال کروں؟

کہنے والوں کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے یہاں ہمارا  
ٹھکانہ نہیں آپ کے سوا کسی دوسرے انسان سے کوئی امید نہیں۔ مصائب میں دوسرے  
لوگوں سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کی طرف نگاہ اٹھتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے  
دربار میں آپ کی عزت و تکریم ہے۔ اگر آپ نے توقف فرمایا تو پھر کس بندہ خدا سے اور  
کس امید پر کوئی سوال کیا جائے؟

دفع ایہام کے لئے اپنی دعاء و توسل میں اس طرح کے اختلافی الفاظ و تعبیرات  
سے ہم اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے قائلین پر حکم کفر عائد کرنا نہ کوئی  
پسندیدہ بات ہے نہ اس میں کوئی حکمت ہے۔ کیونکہ وہ مؤحد ہیں۔ اللہ کی توحید اور محمد صلی  
اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ تمام ارکان احام کی

تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ کے رب ہونے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور اسلام کے سچے دین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے حرمت اسلام اور ذمہ اہل دین کے وہ اہل اور مستحق ہیں۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلی صلوٰتنا و اسلم واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذاک

المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ ورسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمۃ۔ (رواہ البخاری)

”جو شخص اسلام قبول کر کے نماز پڑھے، استقبال قبلہ کرے، ہمارا ذبیحہ کھائے وہ

ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اس کے ذمہ کے بارے

میں اللہ سے کئے ہوئے اپنے عہد کو نہ توڑو۔“

یہیں سے ہمارے اد پر لازم ہو جاتا ہے کہ مومن کے کلام میں جب کسی فعل کی

نسبت غیر اللہ کی طرف پائیں تو اسے مجاز عقلی پر محمول کریں اس کی تکفیر کی کہیں سے کوئی

گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ مجاز عقلی کتاب و سنت میں مستعمل ہے۔ اس لیے کسی مؤحد کے کلام

میں ایسی نسبت کا پایا جاتا اس کے مجاز عقلی ہونے کے لئے کافی ہے۔

اعتقاد صحیح یہ ہے کہ اللہ خالق عباد بھی ہے اور خالق افعال بھی ہے۔ اور کسی زندہ و

مردہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ تاثیر صرف اللہ کی ہے۔ اسی اعتقاد کو توحید کہتے ہیں۔ اور اس کے

علاوہ جس کا اعتقاد ہے وہ شرک کر رہا ہے۔

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو کسی فعل یا ترک یا رزق یا زندہ کرنے یا موت دینے

میں کسی شخص کو اللہ کا شریک دیکھتا ہو۔

جن الفاظ و تعبیرات کو کچھ لوگ موہم شرک سمجھتے ہیں ان کے قائلین کا مقصد بارگاہ

الہی میں توسل و شفاعت ہے۔ مقصود و منہا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔

کوئی بھی مسلمان کسی نبی و ولی کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا اور جس سے طلب و سوال کر رہا ہے اسے یہ نہیں سمجھتا کہ کسی فعل و ترک میں دور و نزدیک کسی بھی گوشہ سے وہ بذات خود بے عطائے الہی کسی چیز پر قادر ہے۔

کسی مسلمان کی خطا یا جہل یا نسیان یا اجتہاد کی وجہ سے اس پر حکم شرک عائد کرنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست طلب مغفرت و جنت و شفا اور سوال میں لوگ تعبیر کی غلطی کریں تو اس سے ان کے عقیدہ توحید پر حرف نہیں آتا، کیونکہ وہ اس طلب شفاعت میں بارگاہ الہی تک پہنچنے میں آپ کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اور گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں اللہ سے دعا کر رہا ہوں کہ وہ میری مغفرت فرمائے۔ میرے اوپر رحم فرمائے اور میں اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنی پریشانی کے ازالہ کے لئے اور اپنی مراد تک پہنچنے کے لئے بارگاہ الہی میں آپ کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

گزشتہ صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کرتے تھے استغاثہ کرتے تھے طلب شفاعت کرتے تھے فقر و مرض و بلاء و قرض و محتاجی کے مواقع پر آپ سے عرض احوال کیا کرتے تھے۔

ہر مسلمان اس حقیقت سے واقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب محض اپنی ذات اور اپنی قوت سے بلا مشیت و رضائے الہی کے نہیں کرتے۔ نہ اپنے اختیارات و تصرفات میں مستقل بالذات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن و امر اور اس کی قدرت سے یہ سب کرتے ہیں۔ آپ عبد مامور ہیں اور اللہ کے نزدیک آپ کو مقام اور جاہ و عزت حاصل ہے۔ جس سے آپ پر ایمان لانے والے آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور آپ کی فضیلت و کرامت کا اعتقاد رکھنے والے فیض پاتے رہتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ اس

کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اختیار و تصرف میں جو شخص آپ کو مستقل بالذات سمجھے وہ ارتکاب شرک کر رہا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقعہ بہ موقعہ تنبیہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ جب بطریق دینی یا حالات کے تیور سے آپ پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سائل یا سامع کے اعتقاد میں کچھ نقص و فتور ہے تو فوراً اصلاح و ہدایت فرماتے۔

کبھی آپ فرماتے کہ میں سید اولاد آدم ہوں۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ سید تو اللہ ہی ہے۔

کبھی لوگ آپ سے استغاثہ کرتے اور آپ انہیں تعلیم دیتے کہ مجھے وسیلہ بنایا جائے۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ استغاثہ صرف اللہ سے کیا جائے مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے۔

کبھی لوگ آپ سے سوال و استغاثہ کرتے تو آپ ان کی طلب پوری فرماتے۔

بلکہ کبھی کبھی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اختیار کرنے کی آزادی عطا فرماتے کہ صبر کرو تمہیں جنت ملے گی یا ابھی تمہاری پریشانی دور کر دی جائے۔ جیسے نابینا صحابی اور حضرت قتادہ جن کی آنکھ چلی گئی تھی انہیں اختیار دیا تھا۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو اور استعانت بھی اللہ ہی سے کرو۔

کبھی آپ فرماتے کہ جو شخص کسی مومن کی پریشانی دور کرے۔ انخ۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ بھلائی تو اللہ ہی دیتا ہے۔

ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ ہم اہل سنت کا عقیدہ بحمد اللہ نہایت صاف ستھرا ہے کہ بندہ خود سے کچھ نہیں کر سکتا، خواہ وہ کتنا ہی بڑے رتبہ اور درجہ والا ہو۔

افضل المخلوق صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ سمجھ و تعالیٰ کی توفیق و تائید ہی سے عطاء و نفع نفع و ضرر اور امداد و اعانت فرماتے ہیں۔ آپ سے جب استغاثہ یا استعانت یا طلب کی

صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشش اور ان کی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لیے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشش اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشش۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے۔

یعنی ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا نکلا فرمایا حدیث صحاح ہے:

من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفر الله  
لذلك للميت وان كان موجبا للعقوبة.

یعنی جو شخص لا اله الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے، اگر وہ عقوبت کا مستحق ہو۔

اسی میں ہے ”فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار یہ کلمہ ضرور پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں۔“

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے ”بعد اس کے فرمایا“ کہ دعا گو نے واسطے برادر مہاجری دین محمد کے ایک لاکھ بار لا اله الا اللہ کہا، میرا ایک یار ہے ادچھ سے برابر آتا ہے مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا ہے۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا۔“

اسی کے جلد ۲ ص ۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے:

قوله عليه الصلاة والسلام من قال لا اله الا الله مائة الف مرة  
وجعل الثواب للميت غفر له وان كان موجبا للعقوبة.

”یعنی جو کوئی لا اله الا اللہ کو ستر ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخش جائے اگرچہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو۔“

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو شیخ ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں، ذرا دیر میں

تمام ہو جاتا ہے دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا، مجرب ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

بانی مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔ اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس، ص ۳۸ میں لکھتے ہیں:

”حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا، آپ نے سبب پوچھا؟ تو بروئے مکافہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا، یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی، مگر بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے، آپ نے پھر سبب پوچھا؟ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں، سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جواب کے مکافہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکافہ سے ہوگئی۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علماء کی تحریر مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لیے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تاکہ من قبلہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اور از انجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لیے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔ اس لیے آسانی کے خیال سے چنانکا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقراء پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا ثواب بھی میت کو ثواب پہنچے۔



عقیدہ رکھنا کسی طرح نہ کفر ہے نہ شرک ہے۔

ہم پھر اپنی یہ بات دہرا دیتے ہیں کہ کسی وفات یافتہ کے بارے میں زندوں سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھنا ناقابل فہم ہے کہ زندوں کیلئے جو افعال ثابت ہیں وہ تو بطور مسببیت کے ہیں اور وفات یافتہ کے افعال میں تاثیر ذاتی و ایجاد حقیقی کا عقیدہ کوئی رکھنے لگے۔ یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے۔

مکرمین و مانعین کے عقیدہ کے مطابق بطور تنزل زیادہ سے زیادہ یہی تو کہا جاسکتا ہے کہ میت سے استغاثہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی معذور اپانچ سے کوئی شخص مدد مانگنے لگے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ جس سے وہ مدد مانگ رہا ہے وہ معذور اپانچ ہے۔ مگر اسے شرک کیسے کہا جاسکتا ہے؟

مسیبیت 'وفات یافتہ کے مقدور میں ہے۔ اور اس کے امکان میں یہ بھی ہے کہ ہمارے لئے دعاء کر کے زندوں کی طرح اس کا اکتساب کرے۔ کیوں کہ روحمیں اپنے اعزہ و اقارب کے لئے دعا کرتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ جب زندوں کی ایسی باتیں مرحومین تک پہنچتی ہیں جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں تو وہ دعاء کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان پر نظر رحمت فرما کر انہیں اس سے روک دے۔ یا۔ انہیں موت نہ دے جب تک کہ انہیں ہدایت نہ دے دے۔

روحیں زندوں کی طرح بذریعہ دعا ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ اور فرشتوں کی طرح دوسروں کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے خواب میں روحوں کے ذریعہ فوائد و منافع حاصل کئے ہیں۔

# توسل

محسن الہست عالم باعمل

حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## توسل

لغت میں کسی شے کو مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا توسل کہلاتا ہے۔ شرعی طور پر ایسی چیز کو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنانا توسل ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و منزلت رکھتی ہے، بارگاہ الہی میں اعمال صالحہ اور ذوات صالحہ دونوں ہی مقبول اور محبوب ہیں لہذا دونوں کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔

ضیاء مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما سے ایک شخص نے پوچھا ”توسل کے جواز پر کیا دلیل ہے؟“ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ“ ۱

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو“

اس شخص نے کہا کہ ”اس آیت میں تو وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ ہیں“

حضرت نے فرمایا: ہمارے اعمال مقبول ہیں یا مردود؟ اس نے کہا: ”مجھے کیا

معلوم؟“ حضرت نے فرمایا: ”حضور سید عالم ﷺ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں یا نہیں؟“

اس نے کہا ”یقیناً مقبول ہیں“ آپ نے فرمایا: ”جب اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے

جن کی قبولیت مشکوک ہے تو حضور اکرم ﷺ کو وسیلہ کیوں نہیں بنایا جاسکتا جو یقیناً مقبول

ہیں“

## اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اعمال اور ذوات کو وسیلہ بنانا

ترمذی شریف میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى اَمَانِيْنٍ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ“ ۱

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دو تحفظ نازل فرمائے ہیں:

۱۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک اے حبیب! آپ ان میں موجود ہیں)

۲۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والا نہیں جب تک وہ استغفار کرتے ہیں۔)

اس آیت کے پہلے حصے میں عذاب سے محفوظ رہنے کا وسیلہ نبی اکرم ﷺ کی ذات کو اور دوسرے حصے میں عمل استغفار کو قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”رُبَّ اَشْعَثٍ مَلْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلٰى اللّٰهِ لَاَبْرَهَ“ (رواہ

مُسْلِم) ۲

بہت پرانگندہ بالوں والے جنہیں دروازوں سے واپس کر دیا جاتا ہے، اگر قسم دے کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دے گا!

(مسلم شریف)

حضرت مصعب ابن سعد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: ترمذی شریف، ابواب البغیر، ص ۴۳۹

۲۔ شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ: مشکوٰۃ شریف، (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۴۳۶

”هَلْ تَنْصَرُونَ وَ تُرْزَقُونَ إِلَّا بِضَعْفَائِكُمْ“۱ (رواہ البخاری)  
 تمہیں رزق اور فتح و نصرت صرف تمہارے ضعیف افراد کی بنا پر دی جاتی ہے۔  
 حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو  
 فرماتے ہوئے سنا:

”ابدال شام میں ہوں گے وہ چالیس مرد ہوں گے جب ان میں سے ایک فوت  
 ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مقرر فرما دے گا۔“

”يُسْقَىٰ بِهِمُ الْغَيْثُ وَيَنْتَصَرُ بِهِمُ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَيَصْرَفُ عَنْ أَهْلِ  
 الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ“

”ان کی برکت سے بارش دی جائے گی ان کے وسیلے سے دشمنوں پر مدد حاصل  
 کی جائے گی اور ان کی بدولت اہل شام سے عذاب دفع کیا جائے گا۔“۲  
 حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور سید عالم رسول اکرم ﷺ  
 نے فرمایا:

”إِنِّي فِي ضَعْفَائِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ أَوْ تُبْصَرُونَ بِضَعْفَائِكُمْ“

(رواہ ابو داؤد)۳

”تم اپنے ضعیفوں میں میری رضا طلب کرو کیونکہ تمہیں ضعیفوں کی بدولت ہی  
 رزق دیا جاتا ہے یا فرمایا کہ تمہیں امداد دی جاتی ہے۔“

ایک تو وہ ضعیف ہیں جو ناداری کا شکار ہیں دوسرے وہ جو عبادت و ریاضت کی

۱ شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ: مشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) ص ۳۶۶

۲ النضا: ص ۵۸۲-۳

۳ شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ: مشکوٰۃ شریف (باب فضل الفقراء) ص ۳۷۷

کثرت کی وجہ سے لاغر و زار ہیں دوسری قسم کے لوگ (اولیاء کرام) وسیلہ نصرت و رحمت بننے کے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت امیہ بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے راوی ہیں:

”إِنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِي بِصَعَالِيكَ الْمُهَاجِرِينَ“ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ

السُّنَنِ)

”نبی اکرم ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح و نصرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔“

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

”ابن الملک فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ اس طرح دعا مانگتے تھے: اے

اللہ اپنے فقیر اور مہاجر بندوں کے طفیل ہمیں دشمنوں کے خلاف مدد عطا فرما۔“ ۲

حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی ہیں، فقراء مہاجرین کا وسیلہ پیش کرنے کا باعث ہرگز یہ نہیں کہ آپ وسیلے کے محتاج ہیں بلکہ شکستہ خاطر اور ستم رسیدہ صحابہ مہاجرین کی عزت افزائی ہے اور امت مسلمہ کو یہ بتانا ہے کہ بارگاہِ الہی میں دعا کرتے وقت میرے غلاموں کا وسیلہ بھی پیش کر سکتے ہو سبحان اللہ! جس ذاتِ اقدس کے غلاموں سے توسل کیا جاسکتا ہے خود اس ذاتِ مکرم سے توسل کیوں جائز نہ ہوگا؟ اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ بارگاہِ الہی میں صرف اعمالِ صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مقبول بارگاہِ صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے۔

سید عالم محبوب رب العالمین ﷺ سے توسل

حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے ولادت

۱ شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ بن عبد اللہ مشکوٰۃ شریف (باب فضل الفقراء) ص ۳۷

۲ علی بن سلطان محمد القاری: مرآۃ الفاتح (مکتبہ المدنیہ لکھنؤ) ۱۳/۱۰

سند صحیح ہے۔<sup>۱</sup>

اہل کتاب حضور سید عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے ویلے سے فتح و ظفر کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور اپنی مرادیں پاتے تھے۔

ابن قیم لکھتے ہیں (م ۸۶۱ھ):

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: کہ خیر کے یہودی

قبیلہ غطفان کے ساتھ حالت جنگ میں رہتے تھے ایک مقابلے میں یہودی

شکست کھا گئے تو انہوں نے یہ دعا مانگی: ”اے اللہ! ہم تجھ سے نبی امی محمد مصطفیٰ

ﷺ کے طفیل دعا مانگتے ہیں جنہیں تو نے آخری زمانے میں ہمارے پاس بھیجے

کا وعدہ کیا تھا تو غطفان کے خلاف ہماری مدد فرما وہ ہمیشہ مقابلے کے وقت یہ

دعا مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے غطفان کو شکست دے دی جب نبی اکرم ﷺ

مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

فرمائی: ”وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا“ یہودی اس

سے پہلے کافروں کے خلاف فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے یعنی اے محمد! ﷺ

آپ کے ویلے سے۔<sup>۲</sup>

## حیات ظاہرہ میں توسل

امام طبرانی معجم کبیر اور معجم اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

راوی ہیں: کہ حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے وصال پر حضور سید عالم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید حضرت ابویوب انصاری رضی

۱۔ حاکم نیشاپوری المستدرک کتاب التاریخ (دار الفکر بیروت) ۶/۱۵۱۲

۲۔ محمد بن ابوبکر بن قیم الجوزیہ ہدایۃ الخیار فی اجوبۃ الیہود والنصارى (الجامع الغریب) ص ۳۹۳



مبارک کے بعد حیات طیبہ ظاہرہ میں وصال کے بعد عالم برزخ کی مدت میں اور میدان قیامت میں جائز اور واقع ہے۔  
ابن قیم کہتے ہیں:

”دنیا و آخرت میں سعادت و فلاح رسولانِ گرامی کے ہاتھوں ہی مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ان ہی کی بدولت میسر آ سکتی ہے۔“

### ولادت با سعادت سے پہلے تو سل

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے دعا مانگی: یَا رَبِّ اسْئَلْکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِّمَا عَفَرْتُ لَی. اے میرے رب میں تجھ سے مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں کہ میری مغفرت فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا اٰدَمُ وَ کَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَاَنْتَ اَخْلَقْتَهُ اے آدم! تم نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے انہیں ابھی (وجودِ عنصری کے ساتھ) پیدا بھی نہیں کیا، عرض کیا اے میرے رب!

جب تو نے میرا جسم اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور میرے اندر روحِ خاص پھونکی تو میں نے سراٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے، پس میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اس ہستی کا نام لکھا ہوا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا وہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں، تم مجھ سے ان کے وسیلے سے دعا مانگو، میں نے تمہاری مغفرت فرمادی، اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ فرماتا، اس حدیث کی

۱۔ الشیخ حسن الہدیٰ الحمزوی، مشارق الانوار فی فوائد الاعتبار (المطبعة الشریفة، مصر) ص ۵۹

۲۔ ابن قیم الجوزیہ: زاد المعاد ۲۸/۱

اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک سیاہ فام غلام کو قبر کھودنے کا حکم دیا جب لحد تک پہنچے تو حضور انور ﷺ نے بنفس نفیس لحد کھودی اور اپنے ہاتھوں سے مٹی نکالی جب فارغ ہوئے تو اس قبر میں لیٹ گئے پھر یہ دعا مانگی:

”اللہ تعالیٰ زندگی اور موت دیتا ہے وہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اپنے نبی اور مجھ سے پہلے نبیوں کے طفیل اس کی قبر کو وسیع فرما بیشک تو سب سے بڑا رحم والا ہے“

اس حدیث سے نبی اکرم ﷺ کی حیات میں اور دیگر انبیاء کے وصال کے بعد بارگاہ الہی میں وسیلہ پیش کرنا ثابت ہوتا ہے۔

علامہ نور الدین سمہودی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ سے توسل کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چیز آپ سے طلب کی جاتی ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ بارگاہ الہی میں دعا اور شفاعت کے ذریعے سبب بننے پر قادر ہیں اس کا مال یہ ہوگا کہ آپ سے دعا کی درخواست ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں اسی قسم سے صحابی (حضرت ربیعہ) کی درخواست ہے: ”اَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ“ (الحدیث)

”میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں اس کا مقصد یہی ہے کہ آپ اس مقصد کے لیے سبب اور سفارش بنیں۔“ ۲  
حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:

۱۔ نور الدین علی بن احمد اسمہودی: وقفا الوفا (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۸۹۹/۳

۲۔ ایضاً: ۱۳۷۴/۵/۴

وَإِنَّكَ أَذْنَى الْمُرْسَلِينَ وَمِثْلَهُ  
إِلَى اللَّهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِينَ الْأَطَايِبِ  
وَكُنْ لِي شَفِيعًا يَوْمَ لَا دُفْعَاعَةَ  
بِمَنْفَعِنِ فِتْنًا عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٍ

”طیب وکرم حضرات کے فرزند! آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام رسولوں سے زیادہ قریب و پہلے ہیں۔

آپ اس دن میرے شفیع ہوں گے جس دن کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کو کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکے گا۔

حضور اکرم ﷺ طائف سے واپسی پر پھر انہ تشریف فرما ہوئے اُس وقت قبیلہ ہوازن کے بچوں اور عورتوں میں سے چھ ہزار قیدی آپ کے ہمراہ تھے اذنوں اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا ہوازن کا ایک وفد مشرف بہ اسلام ہو کر حاضر بارگاہ ہوا انہوں نے درخواست کی کہ ہم پر احسان فرمائیں آپ نے فرمایا: قیدیوں اور اموال میں سے ایک چیز پسند کر لو انہوں نے عرض کیا: ہمیں قیدی محبوب ہیں آپ نے فرمایا: جو قیدی میرے ہیں یا بنو عبدالمطلب کے ہیں وہ تمہارے ہیں باقی جو تقسیم ہو چکے ہیں ان کے لیے یہ طریقہ اختیار کرو:

”إِذْلَمَاءَ أَنَا صَلَّيْتُ الظُّهْرَ بِالنَّاسِ فَقَوْمُوا فَقُولُوا إِنَّا نَسْتَغْفِرُ بِرَسُولِ  
اللَّهِ (ﷺ) إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَبِالْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ (ﷺ)  
فِي آبَائِنَا وَنِسَائِنَا فَسَأَعْطِيكُمْ عَنْ ذَلِكَ وَاسْأَلْ لَكُمْ“ ۛ

۱۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی مختصر سیرۃ الرسول (لاہور) ص ۶۹

۲۔ عبد الملک بن ہشام (۲۱۳ھ): السیرۃ النبویہ (مع الروض الانف) مکتبہ فاروقیہ لبنان (۲۰۶/۲)

”جب میں لوگوں کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم کھڑے ہو کر کہنا: ہم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت (سفارش) فرمائیں اور مسلمان ہماری شفاعت رسول اللہ ﷺ سے کریں، ہمارے بیٹوں اور عورتوں کے حق میں تو میں تمہیں اس وقت عطا کر دوں گا اور تمہاری سفارش کروں گا۔“

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اکثر صحابہ نے عرض کیا جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ حضور کا ہے، باقی صحابہ سے آپ نے وعدہ فرمایا کہ ہر قیدی کے بدلے پہلے مال غنیمت سے چھ اونٹنیاں دی جائیں گی اس طرح ہوزن کو تمام قیدی واپس مل گئے۔

اسی موقع پر حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) نے عرض کیا:

أَمْسُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ فِي كَرَمٍ فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَزَجُوهُ وَنَنْتَظِرُ

”یا رسول اللہ! ہم پر احسان اور کرم فرمائیں، آپ وہ انسان ہیں جن کے احسان کی ہم توقع رکھتے ہیں اور منتظر ہیں۔“

قبیلہ بنو بکر اور خزاعہ کی جنگ اسلام سے پہلے چلی آ رہی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے اور خزاعہ نبی اکرم ﷺ کے بعد ازاں بنو بکر نے صلح کا یہ موقع غنیمت جانا اور قریش کی مدد سے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کی، عمر بن سالم خزاعی چالیس افراد کو ساتھ لے کر نبی اکرم ﷺ سے امداد حاصل کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔

امام طبرانی معجم صغیر میں راوی ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے وضو خانے میں تین مرتبہ بَبِّکَ کہی اور تین مرتبہ

نُصِرْتُ (تمہاری امداد کی گئی) فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کو تین مرتبہ لَبَّيْک اور تین مرتبہ نُصِرْتُ فرماتے ہوئے سنا جیسے آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے ہوں، کیا وضو خانے میں کوئی آپ کے ساتھ تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ بنو کعب کا رجز خواں مجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا اور اس کا کہنا ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی امداد کی ہے، تین دن کے بعد آپ نے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھائی، تو میں نے سنا کہ رجز خواں اشعار پیش کر رہا تھا۔<sup>۱</sup> یہ بھی صحابی ہیں جنہوں نے تین دن کی مسافت سے بارگاہ رسالت میں فریاد کی اور ان کی فریاد سنی گئی۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں: کہ ایک نابینا صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے ہیں کہ میرے لیے بینائی کی دعا فرمائی جائے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں اور چاہو تو صبر کرو اور صبر تمہارے لیے بہتر ہے، انہوں نے عرض کیا: دعا فرمادیں، آپ نے فرمایا اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت ادا کرو اور یہ دعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتُوْجِّہُ اِلَیْکَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُنْحٰ

اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهِ لِتَقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْ فِیّ ۲

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد مصطفیٰ ﷺ

کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں یا محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ پوری کر دی جائے، اے اللہ! میرے حق میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔“

۱۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی: مختصر سیرۃ الرسول (لاہور) ص ۳۳۳

۲۔ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری: المستدرک (دار الفکر بیروت) ۵۱۹/۱

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ ابھی ہم وہیں بیٹھے ہوئے تھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ صاحب تشریف لائے ان کی بیٹائی بحال ہو چکی تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بارش کی دعا کی 'تھوڑی دیر گزری تھی کہ زوردار بارش شروع ہو گئی مدینہ منورہ کے آس پاس کے لوگوں نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ ہم تو ڈوب جائیں گے آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش ہو ہم پر نہ ہو چنانچہ بادل آس پاس سے اس طرح ہٹ گیا جیسے تاج ہو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَذْرَكَ أَبُو طَالِبٍ هَذَا الْيَوْمَ لَسَرَّهُ فَقَالَ لَهُ بَعْضُ اصْحَابِهِ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَدْتُ قَوْلَهُ

وَأَبِئْضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ لِمَالِ الْيَتَامَى عِصْمَةً

لِلْأَزْمَلِ فَقَالَ أَجَلٌ! ۲

”اگر ابوطالب اس دن کو پاتے تو انہیں خوشی ہوتی ایک صحابی نے عرض کیا حضور! آپ کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے:

گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ویلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے  
یتیموں اور تاداروں کے بچاؤ مآویں!

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!“

وصال کے بعد تو سل

۱۔ امام قسطلانی، ابن منیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ (مع الروض الناف) ۱/۱۷۹

حضور سید عالم ﷺ کے وصال کی اطلاع ملی تو روتے ہوئے حاضر ہوئے اور چہرہ انور سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے:

”وَلَوْ اَنَّ مَوْتَكَ كَانَ اِخْتِيَارًا لَجَدْنَا لِمَوْتِكَ بِالنَّفُوسِ اَذْكُرْنَا  
يَا مُحَمَّدٌ عِنْدَ رَبِّكَ وَلَنُكُنَّ مِنْ بَالِكَ“<sup>۱</sup>

”اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کے وصال کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیتے“ حضور! اپنے رب کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ہمارا خیال ضرور رکھنا۔“  
۲۔ ایک صاحب کسی مقصد کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی انہوں نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تذکرہ کیا انہوں نے فرمایا: وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا مانگو:  
”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ“ (الخ)

انہوں نے یہ عمل کیا تو نہ صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ان کی حاجت پوری کر دی بلکہ فرمایا: جب کوئی کام ہو تو میرے پاس آ جانا یہ صاحب واپسی پر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور شکریہ ادا کیا کہ آپ کی سفارش سے میرا کام ہو گیا انہوں نے فرمایا: میں نے سفارش بالکل نہیں کی میں نے تمہیں وہ عمل بتایا تھا جو حضور نبی کریم ﷺ نے نابینا صحابی کو تعلیم فرمایا تھا۔ (ملخصاً) ۲

۳۔ حضرت مالک الدار (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازن) راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں قحط واقع ہو گیا ایک صاحب (حضرت بلال بن حارث مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی) حضور سرور عالم ﷺ کے مزار انور پر حاضر ہوئے اور

۱۔ احمد بن محمد قسطلانی امام: (۹۳۳ھ) مواہب اللدنیہ (مع شرح الزرقانی) ۳۲۲/۱۸

۲۔ طبرانی امام: المعجم الصغیر ص ۱۰۳

عرض کی:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَسْقِ لَأَمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا“

”یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیے کیونکہ وہ لوگ ہلاک

ہوئے جا رہے ہیں۔“

”خواب میں نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کے لیے بارش کی دعا کریں، انہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کہو کہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو وہ صاحب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا، حضرت عمر رو دیئے اور کہا یا اللہ! میں اپنی بساط بھر کو تباہی نہیں کرتا۔“

۴۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت ۱۸ھ میں پھر قحط واقع ہوا جسے عام الرمادہ کہتے ہیں، حضرت بلال بن حارث مرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی قوم بنو مزینہ نے کہا ہم مرے جا رہے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجئے، فرمایا: بکریوں میں کچھ نہیں رہا، اصرار بڑھا تو انہوں نے بکری ذبح کی، جب اس کی کھال اتاری تو نیچے سے سرخ ہڈی نکلی یہ دیکھ کر حضرت بلال مرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فریاد کی اور پکارا:

”یا محمد! رات ہوئی تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ

انہیں فرما رہے ہیں کہ تمہیں زندگی مبارک ہو۔“

۵۔ جنگ یمامہ میں مسیلہ کذاب کے ساتھ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جبکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مقابلہ بہت شدید تھا، ایک وقت نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان مجاہدین کے

۱۔ ابن عبد البر انصری القرطبی: الاستیعاب (دار صادر بیروت) ۴/۶۳۱۲

۲۔ حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (مکتبہ العارف بیروت) ۹/۱۷۷



پاؤں اکھڑنے لگے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ سالار تھے انہوں نے یہ حالت دیکھی:

”نَادَى بِشَعَارِ الْمُسْلِمِينَ وَكَانَ شَعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ يَا مُحَمَّدًا“ ۱۔

”تو انہوں نے مسلمانوں کی علامت کے ساتھ ندا کی، اس دن مسلمانوں کی

علامت تھی“ ”یا محمدہ“!

۶۔ حضرت ابو عبیدہ ابن عامر الجراح نے حضرت کعب بن ضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہزار افراد کے ہمراہ حلب کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا، جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو یوتا پانچ ہزار افراد کے ساتھ حملہ آور ہوا، مسلمان جم کر لڑنے لگے، اتنے میں پیچھے چھپے ہوئے پانچ ہزار افراد کے لشکر نے حملہ کر دیا، اس خطرناک صورت حال نے مسلمانوں کو بے حد پریشان کر دیا، حضرت کعب بن ضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا تھامے ہوئے بلند آواز سے پکارا:

”يَا مُحَمَّدُ اِنَّا مُحَمَّدُ اِنَّا نَصْرُ اللّٰهِ اِنْزِلْ“ ۲۔

”یا محمد ﷺ، یا محمد ﷺ! اے اللہ کی امداد نازل فرما۔“

مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور کمال ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔

۷۔ فتح بہنسا کے موقع پر ایک دفعہ جب رات بھر جنگ ہوتی رہی اس وقت مسلمانوں کا شعار (علامتی نشان) تھا:

”يَا مُحَمَّدُ اِنَّا مُحَمَّدُ اِنَّا نَصْرُ اللّٰهِ اِنْزِلْ“

۸۔ ابوالجوزاء حضرت اوس بن عبد اللہ فرماتے ہیں ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا، اہل

۱۔ حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (مکتبہ المعارف بیروت) ۳۲۳/۶

۲۔ محمد بن عمر الواقدی: فتوح الشام (مصطفیٰ البابلی مصر ۱۹۳۳ء) ۱۹۶/۱۱

مدینہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی آپ نے فرمایا:

”نبی اکرم ﷺ کے مزار مبارک کو دیکھو اور آسمان کی طرف اس کا روشن دان کھول دو تا کہ اس کے اور آسمان کے درمیان چھت حاصل نہ رہے انہوں نے ایسا ہی کیا تو اتنی بارش ہوئی کہ سبزہ اگا، اونٹ موٹے ہو گئے اور چربی کی زیادتی کی وجہ سے ان کے جسم پھٹ گئے چنانچہ اس سال کا نام ہی عام الفتن رکھ دیا گیا۔“<sup>۱</sup>

۹۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں مبارک سو گیا۔

”فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَذْكَرُ النَّاسِ إِلَيْكَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ!

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّمَا نَشَطَ مِنْ عَقَالٍ“<sup>۲</sup>

”ایک شخص نے انہیں کہا: اس ہستی کو یاد کرو جو تمہیں تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو انہوں نے کہا: ”یا محمد ﷺ! وہ اسی وقت بھلے چنگے ہو گئے، گو یا وہ قید سے آزاد کر دیے گئے ہوں۔“

۱۰۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص کا پاؤں سو گیا، تو آپ نے اسے فرمایا: ”اس ہستی کو یاد کرو جو تمہیں سب انسانوں سے زیادہ محبوب ہیں اس نے کہا: یا محمد ﷺ! اس کا پاؤں صحیح ہو گیا۔“<sup>۳</sup>

۱۱۔ یقین بن عدی کہتے ہیں: کہ بنو عامر نے بصرہ میں اپنے جانور کھیتی میں چرائے، انہیں طلب کرنے کے لیے حضرت موسیٰ اشعری (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے

۱۔ عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (م ۲۵۵ھ): سنن دارمی (دارالحسن مصر) ۳/۱۱

۲۔ ابو ذر یحییٰ بن شرف النووی امام: الاذکار (مصطفیٰ البابی مصر) ص ۲۷۱

۳۔ ابو ذر یحییٰ بن شرف النووی امام: الاذکار (مصطفیٰ البابی مصر) ص ۲۷۱

بھیجے گئے) بنو عامر نے بلند آواز سے اپنی قوم آل عامر کو بلایا تو حضرت نابذہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) اپنے رشتہ داروں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے انہیں حضرت ابو موسیٰ کے پاس لایا گیا آپ نے پوچھا: آپ کیوں نکلے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اپنی قوم کی پکار سنی تھی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تازیانے لگائے اس پر حضرت نابذہ (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

”فَإِنْ تَكُ لِابْنِ عَفَّانٍ أَمِينًا فَلَمْ يَنْعَثِ بِكَ الْبَرُّ الْأَمِينًا  
وَيَقْبِرَ النَّبِيُّ وَصَاحِبِيهِ إِلَّا يَا غَوْنًا لَوْ تَسْمَعُونَا“  
”اگر تو ابن عفان کا امین ہے تو انہوں نے تجھے احسان کرنے والا امین بنا کر نہیں بھیجا۔“

اے نبی اور آپ کے دو صاحبوں کی قبر! اے ہمارے فریاد رس! کاش آپ ہماری فریاد سن لیں!

۱۲۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حراست میں میدان جنگ سے گزریں تو بے ساختہ فریاد کی:

”اے بہت ہی تعریف کیے ہوئے! امداد امداد اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اور آسمانی فرشتے درود بھیجیں یہ حسین میدان میں ہیں خون میں نہائے ہوئے اعضاء کٹے ہوئے یا محمد ﷺ امداد آپ کی بیٹیاں حراست میں ہیں آپ کی اولاد شہید کر دی گئی باد صبا ان پر مٹی اڑا رہی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ ان کی پرسوز فریاد نے ہر اپنے اور بیگانے کو رولا دیا۔

۱۔ ابن عبد البر الترمذی القزلبی: الاستیعاب (دار صادر بیروت) ۵۸۶/۳

۲۔ حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (مکتبۃ المعارف بیروت) ۱۹۳/۸

## امت مسلمہ..... اور توسل

### اجماع صحابہ

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارش کی دعا اس طرح مانگا کرتے تھے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عمر فاروق حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور عرض کرتے:

”بارا اہما! ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کے محترم چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔“

یوں دعا مانگتے ہی انہیں بارش عطا کر دی جاتی۔

ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ پیش کیا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں، یہ کھلا ہوا مغالطہ ہے۔

1۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بارگاہ الہی میں صرف اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا ہی جائز نہیں بلکہ ذوات صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے، اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، کیونکہ یہ دعا صحابہ کرام کے اجتماع میں مانگی گئی اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا جبکہ تمہیں اس سے انکار ہے۔

2۔ اگرچہ حضرت عباس وہ برگزیدہ ہستی ہیں کہ خود ان کا وسیلہ بھی پیش کیا جاسکتا تھا، لیکن حضرت عمر فاروق نے یوں عرض کیا کہ یا اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش

۱۔ محمد بن اسمعیل البخاری، امام صحیح البخاری (نور محمد کراچی) ۱۱/۱۳۷

کرتے ہیں، تو دراصل یہ حضور اکرم ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔

علامہ بدرالدین عینی کی نقل کردہ روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگی پھر حضرت عباس نے جو ان کے ساتھ منبر پر تشریف فرما تھے ان الفاظ میں دعا کی:

”اے اللہ! بلا گناہوں کے سبب ہی نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے دور ہوتی ہے یہ لوگ میرے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ میرا تعلق تیرے نبی سے ہے۔“<sup>۱</sup>

حافظ ابن عبدالبر، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایات پہنچی ہیں کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ استسقا کے لیے نکلے اور دعا کی اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے سے تیرا قرب چاہتے ہیں، ان کو شفع بنا تے ہیں، پس تو ان میں اپنے نبی ﷺ کی رعایت فرما جیسے تو نے دو بچوں کی ان کے باپ کی نیکی کے طفیل حفاظت فرمائی (کہ ان کی گرتی دیوار سیدھی کر دی)۔“<sup>۲</sup>

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا کرنا دراصل نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہی سے توسل ہے۔

3۔ بارگاہ خداوندی میں حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا تو مسلم تھا ہی، حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباس کا وسیلہ پیش کر کے بتلادیا کہ توسل حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ آپ کے قرابت دار اور اہل صلاح امتیوں کا وسیلہ بھی

۱۔ بدرالدین محمود عینی، علامہ: عمدۃ القاری (محمد امین دہلوی بیروت) ۳۲/۷

۲۔ ابن عبدالبر، انصری القرطبی: الاستیعاب (دار صادر بیروت) ۹۹/۳

پیش کیا جاسکتا ہے، تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے، امتی کو وسیلہ نہیں بنا سکتے۔

حضرت سلیم بن عامر بخاری راوی ہیں:

”بارش نہیں ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل دمشق بارش کی دعا کے لیے باہر نکلے، جب حضرت امیر معاویہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا: یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں بلایا، تو وہ پھلانگتے ہوئے تشریف لائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر وہ منبر پر چڑھے اور ان کے قدموں میں بیٹھ گئے، حضرت امیر معاویہ نے دعا مانگی: اے اللہ! آج ہم بہتر اور افضل شخصیت کی سفارش پیش کرتے ہیں، اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں یزید بن الاسود الجرشی کی سفارش پیش کرتے ہیں۔“

یزید! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاؤ، انہوں نے ہاتھ اٹھائے، لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے (اور دعا کی) اچانک مغرب کی طرف سے ایک بادل اٹھا ہوا چلنے لگی اور زوردار بارش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔“

اس اجتماع میں صحابہ کرام بھی موجود ہیں، تابعین بھی حاضر ہیں، ان میں سے کسی نے ایک مرد صالح کے وسیلے سے دعا مانگنے پر اعتراض نہیں کیا، یہ بھی ان حضرات کا جواز تو سل پر اجماع ہے۔

توسل..... اور ائمہ اربعہ

حضرت امام العظیم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:

یا مالکی کن شافعی فی فافتی      انسی فقیر فی الوری لغناک  
یا اکرم الثقلین یا کنز الوری      جدلی بحدک و لرضی برضاک  
اناطمع بالحدود منک ولم یکن      لابی حنیفة فی الانام سواک  
”اے میرے مالک! آپ میری حاجت میں شفیع ہوں، میں تمام مخلوق میں آپ کے غنا کا فقیر ہوں۔“

”اے جن وانس سے زیادہ کریم! اے مخلوق کے خزانے! مجھ پر احسان فرمائیں اور اپنی رضا سے مجھے راضی فرمادیں۔“

”میں آپ کی بخشش کا امیدوار ہوں اور آپ کے سوا مخلوق میں ابوحنیفہ کا کوئی نہیں۔“  
حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں، منصور (بنو عباس کے خلیفہ ثانی) نے حضور اکرم ﷺ کے مزار انور کی زیارت کے لیے حاضری دی تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ”اے ابو عبد اللہ! میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ کی طرف رخ کروں؟“ امام مالک نے فرمایا:

”تم اپنا چہرہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کیوں پھیرتے ہو؟ حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرا اور تیرے جد امجد سیدنا آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں بلکہ آپ کی طرف رخ کر، آپ سے شفاعت کی درخواست کر، اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔“ ۲

تعب ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگوں کو کعبہ شریف کی طرف پاؤں پھیلا کر سوتے ہوئے دیکھا گیا ہے، انہیں کوئی منع نہیں کرتا، لیکن بارگاہ رسالت میں

۱۔ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، امام: قصیدہ نعمانیہ (مع الخیرات الحسان) مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۰۰

۲۔ قاضی عیاض مالکی، امام: الشفاء (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ۳۳/۲

صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والوں کو باصرار کہا جاتا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم کی طرف پشت کر لو۔ فیاللہ العجب! والی اللہ المشتکی۔  
حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

آل النبی ذریعتی وہم الیہ وسیلتی

أرجو ابہم أعطی غدا بیدی الیمین صحیفتی!

”آل نبی میرا ذریعہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف میرا وسیلہ ہے“ مجھے امید ہے کہ ان کے وسیلے سے مجھے قیامت کے دن نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔“  
امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کو تعجب ہوا امام احمد نے فرمایا:  
”امام شافعی کی مثال ایسی ہے جیسے لوگوں کے لیے سورج اور بدن کے لیے صحت۔“ ۲

### توسل..... اور ائمہ اعلام

مسئلہ توسل کے بارے میں علماء اسلام کے اقوال اور واقعات کو جمع کیا جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو سکتی ہے اختصار کے پیش نظر چند علماء اسلام کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵۰۵ھ) آداب السفر میں فرماتے ہیں:  
”سفر کی دوسری قسم میں انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ تابعین اور دیگر علماء و اولیاء کے مزارات کی زیارت بھی داخل ہے زندگی میں جس کی زیارت سے برکت

۱۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ): الصواعق المحرقة (مکتبۃ القاہرہ مصر) ص ۱۸۰

۲۔ یوسف بن اسحاق بن عیسیٰ: شواہد الحق (مصطفیٰ البابا مصر) ص ۱۶۶



حاصل کی جاسکتی ہے وفات کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔“<sup>۱</sup>

امام ابن الحاج جو علمائے مشددین میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے اولیائے کرام انبیائے عظام اور خصوصاً حضور سید الانام ﷺ سے توسل اور استغاثہ کا طریقہ شرح و بسط سے بیان کیا ہے درج ذیل میں ان کے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

اگر میت عوام الناس میں سے ہے تو اس کی قبر کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی جانب بیٹھ کر میت کی طرف رخ کرے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر جہاں تک ممکن ہو میت کے لیے دعا کرے:

”اسی طرح ان قبور کے پاس جا کر دعا کرے جب زائر پر یا دوسرے مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑ گڑائے کہ اس مصیبت کو زائر اور مسلمانوں سے دور فرما دے۔“<sup>۲</sup>

مزید فرماتے ہیں:

”پھر اپنی حاجتوں کے برآنے اور گناہوں کی مغفرت میں اولیاء کرام کا وسیلہ پیش کرے پھر اپنے لیے والدین مشائخ اور اقرباء کے لیے ان اہل قبور کے لیے اور زندہ و مردہ عام مسلمانوں اور قیامت تک آنے والی ان کی اولادوں کے لیے اور جو بھائی غائب ہیں ان سب کے لیے دعا کرے۔

اور ان اولیاء کرام کے پاس کھڑا ہو کر عاجزانہ بارگاہ الہی میں دعا کرے اور کثرت سے ان کا وسیلہ پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منتخب فرمایا ہے

۱۔ ابو حامد محمد بن محمد غزالی امام: احیاء علوم الدین (دار المعرفۃ بیروت) ۳۷۷/۲

۲۔ ابن الحاج امام: المدخل (دار الکتاب العربی بیروت) ۳۸۸/۱

اور انہیں شرافت و کرامت سے نوازا ہے جس طرح دنیا میں ان کے ذریعے نفع عطا فرمایا ہے آخرت میں اس سے بھی زیادہ نفع ہے جو شخص کسی حاجت کا ارادہ کرے تو وہ ان حضرات کے پاس جائے اور ان کا وسیلہ پیش کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

شریعت میں ثابت اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی کتنی عزت افزائی فرماتا ہے اور یہ بکثرت ہے اور مشہور ہے علمائے مشرق و مغرب کے عظیم اکابر مزارات اولیاء کی زیارت سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں اور حسی اور معنوی طور پر اس کی برکت پاتے رہے ہیں۔“

پھر شیخ امام ابو عبد اللہ بن النعمان رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

”ارباب بصیرت و اعتبار کے نزدیک ثابت ہے کہ اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت برکت اور عبرت حاصل کرنے کے لیے محبوب ہے کیونکہ اولیائے کرام کی برکت ان کی (ظاہری) زندگی کی طرح وصال کے بعد بھی جاری ہے اولیاء کرام کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان کو وسیلہ بنانا ہمارے علماء محققین ائمہ دین کا معمول ہے۔“

اس کے بعد انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزارات پر حاضری دینے کے بارے میں فرماتے ہیں:

”زائر انبیاء و مرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظیم بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس پر لازم ہے کہ دور دراز سے ان کا قصد کرے جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہو تو عاجزی

۱۔ ابن الحاج امام المدخل ج ۱ ص ۲۳۹

۲۔ ایضاً: ” ص ۲۳۹

انکساری، فقر وفاقہ، حاجت و اضطراب اور فرد تنی سے موصوف ہوئے اپنے دل اور خیال کو ان کی بارگاہ میں حاضر کرے اور سر کی آنکھ سے نہیں، دل کی آنکھ سے ان کی زیارت کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں بوسیدگی اور تغیر پیدا نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثناء کرے، انبیائے کرام پر درود بھیجے، ان کے اصحاب کے لیے رضائے الہی کی دعا کرے اور قیامت تک اصحاب کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے دعائے رحمت کرے، پھر اپنی حاجتوں کے بر آنے اور گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیائے کرام کا وسیلہ پیش کرے، ان کی بدولت امداد کی درخواست کرے اور اپنی حاجتیں ان سے طلب کرے اور یقین کرے کہ ان کی برکت سے دعا مقبول ہوگی اور اس سلسلے میں تمام تر حسن ظن سے کام لے، کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا دروازہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ جاری ہے کہ ان کے سبب اور ان کے ہاتھوں پر حاجتیں بر لاتا ہے، جو شخص ان کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو سکے، وہ ان کی بارگاہ میں سلام بھیجے اور اپنی حاجتوں اور گناہوں کی مغفرت اور عیوب کی پوشیدگی وغیرہ کا ذکر کرے، کیونکہ یہ حضرات سادات کرام ہیں اور کریم حضرات سوال کرنے والے وسیلہ پکڑنے والے قصد کرنے اور پناہ لینے والے کو رد نہیں کرتے۔“

**حضور سید الانبیاء ﷺ سے توسل اور امام ابن الحاج**

”حضور سید الدین والاخرین ﷺ کی زیارت میں مذکورہ بالا امور یعنی عاجزی، انکساری اور مسکنت میں کئی گنا اضافہ کرے، کیونکہ آپ وہ مقبول الشفاعت شفیع

ہیں جن کی شفاعت رو نہیں کی جاتی، آپ کا قصد کرنے والا آپ کے دربار میں حاضر ہونے والا آپ سے استعانت و استعاذہ کرنے والا محروم نہیں لوٹا جاتا، کیونکہ حضور اکرم ﷺ دائرہ کمال کے قطب اور ملک الہی کے دولہا ہیں۔

جو شخص آپ کو وسیلہ پکڑتا ہے، آپ کے ذریعے مدد طلب کرتا ہے یا اپنی حاجتیں طلب کرتا ہے، وہ محروم نہیں کیا جاتا، مشاہدہ اور آثار اس پر شاہد ہیں، آپ کی زیارت میں کامل ادب کی ضرورت ہے، ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زائر یوں محسوس کرے کہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں، جیسے کہ آپ کی حیات ظاہرہ میں تھا، کیونکہ آپ کی موت اور حیات میں فرق نہیں ہے، آپ امت کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان کے احوال، نیتوں، ارادوں اور خیالات کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے، اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔<sup>۱</sup> ابھی امام ابن الحاج کی یہ عبارت گزری ہے:

”جو شخص کسی حاجت کا ارادہ کرے، وہ اولیائے کرام کے حشرات پر جائے اور ان کا وسیلہ پکڑے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔“<sup>۲</sup>

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قَبِلَ إِذَا تَحَيَّرَ ثُمَّ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ“<sup>۳</sup>

”کہا گیا کہ جب تم مختلف امور میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے استعانت کرو۔“

۱۔ ابن الحاج، امام المدخل ج ۱ ص ۲۵۲

۲۔ ایضاً: ” ” ص ۲۳۹

۳۔ علی بن سلطان محمد القاری: شرح مسند امام اعظم (مطبع چبائی، دہلی) ص ۱۱۳

یعنی اہل قبور کے وسیلے سے دعا کروا اللہ تعالیٰ مرادیں بر لائے گا۔“

امام علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ سے توسل، استعانت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی

درخواست جائز اور مستحسن ہے اس کا جواز اور حسن ان امور میں سے ہے جو ہر

مومن کو معلوم ہے اور انبیاء و مرسلین، سلف صالحین، علماء اور عامۃ المسلمین کا

طریقہ ہے کسی دین والے نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی زمانے میں یہ

انکار سنا گیا یہاں تک کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے اس میں کلام کیا، ضعیف اور

ناواقف لوگوں کے لیے تلخیس سے کام لیا۔“<sup>۱</sup>

علامہ ابن حجر عسقلانی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

”میرے آقا! اے اللہ کے رسول! آپ کی مدح میں کہے ہوئے میرے

قصیدے شرافت والے ہو گئے ہیں۔“

”آج میں نے آپ کی نعت کہی اور کل مجھے آپ سے شفاعت کی امید ہے

وہاں مجھے بھی نظر میں رکھئے۔“

”بندہ گنہگار نے آپ کا وسیلہ پکڑا ہے اسے امید ہے کہ لغزشیں معاف فرمادی

جائیں گی خوف کے سبب اس کی پلکوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔“<sup>۲</sup>

حضرت شاہ دلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً ہر طبقے میں احترام کی نگاہ

سے دیکھے جاتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ نے مجھ پر اسرار ظاہر فرمائے اور مجھے خود ان چیزوں کی پہچان

۱۔ تقی الدین السبکی، الامام: شفاء السقام (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ص ۱۶۰

۲۔ یوسف بن اسماعیل نبہانی: المجموعۃ النہائیۃ (دارالمرکز بیروت) ۳۹۱/۲

کرائی اور میری بہت بڑی اجمالی امداد فرمائی اور مجھے بتایا کہ میں اپنی حاجتوں میں آپ سے کس طرح مانگوں۔“<sup>۱</sup>  
اپنے قصیدہ ”اطیب النغم“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”پہلی فصل میں بطور تہنیت زمانے کے وہ حوادث بیان کیے جاتے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کی روح انور سے استمداد ضروری ہے۔“<sup>۲</sup>  
قصیدہ اطیب النغم میں عرض کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اے تمام مخلوق سے بہتر! اے بہترین امید! اور اے بہترین عطا فرم کرنے والے! اور اے بہترین وہ ذات کہ مصیبت دور کرنے کی جن سے امید کی جاتی ہے اور جن کی سخاوت بادلوں سے بلند و بالا ہے۔“

”آپ مصیبتوں کے وقت پناہ دینے والے ہیں جب وہ اپنے بدترین بچے دل میں گاڑ دیں۔“<sup>۳</sup>

### توسل..... اور اہل حدیث کے مسلم علماء

اس سے پہلے جن اکابر علماء کے ارشادات نقل کیے گئے ہیں ان کی حیثیت ہر کتب فکر کے نزدیک محترم اور مستند ہے ذیل میں خصوصیت کے ساتھ چند اقتباسات ان علماء کے پیش کیے جاتے ہیں جن کی غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بڑی وقعت ہے۔  
علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: فیوض الحرمین (محمد سعید اینڈ سنز، کراچی) ص ۸۶

۲۔ ایضاً: اطیب النغم (مطبع مجتہبی، دہلی) ص ۲

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: اطیب النغم (مطبع مجتہبی، دہلی) ص ۲۲

”دنیا د آخرت میں سعادت و فلاح صرف رسولان گرامی کے ہاتھوں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ان ہی کے ہاتھوں ہے۔“<sup>۱</sup>

ابن تیمیہ اپنے رسالہ ”التوسل والوسيلة“ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ مہاجرین و انصار کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا صحیح اور اہل علم کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے، حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگی:

”یہ وہ دعا ہے جسے تمام صحابہ نے برقرار رکھا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، حالانکہ یہ دعا مشہور ہے، یہ واضح ترین اجماع اقراری ہے ایسی ہی دعا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مانگی تھی۔“<sup>۲</sup>

قاضی شوکانی اپنے رسالہ ”الدرد النصید“ میں لکھتے ہیں:

”حضور اکرم ﷺ سے توسل آپ کی حیات میں بھی ہے اور وصال کے بعد بھی، آپ کی بارگاہ میں بھی ہے اور بارگاہ سے دور بھی، حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ سے توسل ثابت ہے، آپ کے وصال کے بعد دوسروں سے توسل باجماع صحابہ ثابت ہے۔“<sup>۳</sup>

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

”اے میرے آقا! اے میرے سہارے، میرے وسیلے، سختی اور نرمی میں میرے کام آنے والے۔“

۱۔ ابن القیم الجوزیہ: زاد المعاد (مصطفیٰ البابی، مصر الطبعة الثانیہ) ۱۵۸

۲۔ محمد عبدالرحمن: تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ۲۸۲/۴

۳۔ محمد عبدالرحمن: تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ۲۸۲/۴

”میں آپ کے دروازے پر اس حال میں حاضر ہوں کہ میں ذلیل ہوں، گڑگڑا رہا ہوں اور میری سانس پھولی ہوئی ہے۔“ ”آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے جس سے مدد مانگی جائے اے رحمۃ للعالمین! میری آہ و پکار پر رحم فرمائیے۔“<sup>۱</sup>

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

”جب کتاب دست سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو اس پر اولیاء کرام کے توسل کو قیاس کیا جائے گا علامہ جزری ”حصن حصین“ میں فرماتے ہیں دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پیش کیا جائے۔“<sup>۲</sup>

### توسل..... اور علمائے دیوبند

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اپنے قصائد قاسمی میں عرض کرتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

نثار کر اس کی اگر حق سے کچھ لیا چاہے

تو اس سے کہہ اگر اللہ سے ہے کچھ درکار

یہ ہے اجابت حق کو تیری دعا کا لحاظ

قضا و مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار

مولوی رشید احمد گنگوہی سے پوچھا گیا کہ ان اشعار کا ورد کیا ہے؟

۱۔ وحید الزمان نواب: حاشیہ ہدیہ الہدی (اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ) ص ۲۰

۲۔ ایضاً: ہدیہ الہدی ص ۲۸

۳۔ محمد قاسم نانوتوی: قصائد قاسمی (مکتبہ قاسمیہ لٹمان) ص ۸

۴۔ محمد قاسم نانوتوی: قصائد قاسمی (مکتبہ قاسمیہ لٹمان) ص ۵

۵۔ ایضاً: " " " " " " ص ۷



يَا رَسُولَ اللَّهِ اُنْظُرْ حَالَنَا      يَا حَبِيبَ اللَّهِ اِسْمَعْ قَالَنَا  
 اِنْنِي فِيْ بَحْرِهِمْ مُغْرَقٌ      خُذْ يَدِيْ سَهْلَ لَنَا اَشْكَاْنَا  
 يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مِنَ الْوُذْبِ  
 سِوَاكَ عِنْدَ خُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

”اپنے کلمات کو لطم یا نثر ور دکر ناکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں ہے۔“

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی

صاحب کو لکھتے ہیں۔

”اے میرے مرشد! میرے مولیٰ! میری وحشت کے انیس:

میری دنیا کے میرے دین کے اے جائے پناہ۔“

”اے میرے فریاد رس! مجھ پر ترس کھاؤ کہ میں

آپ کی حُب کے سوا رکھتا نہیں کوئی توشیہ راہ۔“

”خلق فائز ہو شہا آپ سے اور میں حیران

رحم کی ہادی من اب تو ادھر کو بھی نگاہ۔“

”میرے سردار! خدا واسطے کچھ تو دیجئے

آپ معطی ہیں میرے میں ہوں سوالیٰ للہ!۔“

(یہ ترجمہ تذکرۃ الرشید کے حاشیہ سے لیا گیا ہے)۔

۱۔ رشید احمد ننگوئی: فتاویٰ رشیدیہ (محمد سعید اینڈ سنز کراچی) ص ۶۹

۲۔ محمد عاشق الہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحر العلوم کراچی) ۱۱۳

تھانوی صاحب بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کرتے ہیں:

”اے اللہ کے محبوب! میری دستگیری فرمائیں، میرے عجز کا آپ کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں۔“

”آپ میری لغزش پر رحم فرمائیں اور اے مخلوق کی شفاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت فرمائیں۔“ ”آقا! آپ کے دربار کے علاوہ میرا کوئی سہارا نہیں!

آخر میں صحابہ و تابعین کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں“  
 ”عاجز و مضطر کے لیے (اللہ تعالیٰ سے) مدد طلب کریں اور مدد کے لیے تیار ہو جائیں۔“

توسل..... اور عالم اسلام کے موجودہ علماء

فاضل علامہ مولانا محمد عاشق الرحمن قادری الہ آبادی نے اپنی تالیف ”مجاہد ملت کا حرف حقانیت“ میں پاک و ہند اور دیگر ممالک کے علماء سے حاصل کردہ توسل سے متعلق فتاویٰ جمع کر دیئے ہیں اس کتاب کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

خطیب بغداد

حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جامع مسجد بغداد کے امام اور مدرس مولانا عبدالکریم محمد توسل کے جائز ہونے پر دلائل پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”پس رسولان گرامی علیہم السلام کی ذوات مبارکہ سے توسل کے انکار کی گنجائش

۱۔ اشرف علی تھانوی: حسان التکمیل فی زمان التعلیل (مطبع مجتہائی دہلی) ص ۱۷۲

کیسے رہ جائے گی؟ ان سے اولیاء کرامؑ ان کے اعمال صالحہ اور دعا کرنے والے کے اپنے اعمال سے توسلؑ سب حق اور مشروع ہے اس کا انکار وہ جاہل اور غبی ہی کرے گا جو راہ ہدایت اور مسلمانوں کے اجتماع سے برگشتہ ہو جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“<sup>۱</sup>

اس جواب پر جن علماء نے تصدیقی دستخط فرمائے ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد نمر خطیب جامع مسجد قادریہ بغداد شریف

۲۔ مولانا نوری سیاب امام جامع مسجد قادریہ بغداد شریف

۳۔ مولانا رشید حسن بغداد شریف

۴۔ مولانا محمد شیخ عبدالقادر امام و خطیب مقام ابو شیخ بغداد شریف

کلیۃ الشریعہ بغداد شریف کے استاذ علامہ احمد حسن طہ فرماتے ہیں:

”ہر شے میں مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے اس عقیدے کی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام سے توسل میں شرعاً ہرگز کوئی مانع نہیں ہے بلکہ شفاعت کی طرح توسل بھی توحید کے منافی نہیں ہے۔“

حماۃ شام کے جلیل القدر عالم مولانا محمد علی تحریر فرماتے ہیں:

”جب اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہے حالانکہ یہ مخلوق ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اعمال مقبول ہیں یا نہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کیوں جائز نہ ہوگا؟ جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے افضل ہیں اپنی ظاہری حیات میں بھی اور وصال کے بعد بھی کیونکہ

۱۔ محمد عاشق الرحمن قادری: مجاہد ملت کا حرف حقانیت (مکتبہ الحبیب الہ آباد) ص ۴۲-۴۰

آپ زندہ ہیں اور ہمارے اعمال آپ کے سامنے ہمیشہ پیش کیے جاتے ہیں  
جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔“<sup>۱</sup>

## خطیب شام

حماۃ شام کے علامہ عبدالعزیز طہماز مدرس و خطیب جامع سلطان فرماتے ہیں:  
”جب شفاعت شرک نہیں ہے تو وسیلہ بھی شرک نہیں ہے کیونکہ ان  
دونوں کا ایک ہی مطلب ہے وسیلہ کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ بندہ اللہ  
تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک مقام رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے عبد مکرم پر احسان کو ظاہر  
کرنے کے لیے اس کے مقام کی بدولت جس بندے پر چاہتا ہے فضل فرماتا  
ہے اللہ تعالیٰ سورۃ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:  
”وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا“ کیا انبیاء و رسل کے خاتم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں  
معزز نہیں ہوں گے؟“<sup>۲</sup>

حماۃ شام کے مفتی علامہ صالح النعمان خطیب جامع مدفن لکھتے ہیں:  
توسل کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے بشرطیکہ عقیدہ صحیح ہو اور اجماع امت  
حجت شرعیہ ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو  
گی بعض غالی وہابی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ توسل شرک ہے تو اس پر شرعی یا عقلی  
کوئی دلیل نہیں ہے۔“<sup>۳</sup>

دمشق کی جامع التجارین کے امام علامہ ابوسلیمان زبیبی نے مسئلہ توسل پر تفصیلی گفتگو فرمائی

۱۔ محمد عاشق الرحمن قادری: مجاہد ملت کا حرف حقانیت (مکتبہ الحبیب آباد) ص ۴۲

۲۔ محمد عاشق الرحمن قادری: حرف حقانیت ص ۵۲

۳۔ ایضاً ص ۵۶



## ندوة العلماء لکھنؤ

ندوة العلماء لکھنؤ کے ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ مولوی محمد برہان الدین نے شیخ ابوالحسن علی ندوی کے ایماء پر ایک استفتاء کے جواب میں یہ فتویٰ صادر کیا:

”انبیاء سے توسل کا عقیدہ رکھنا شرک نہیں ہے لہذا اوسیلہ پکڑنے والا شرک نہیں ہے، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال صالحہ نماز حج وغیرہ کو قبول فرمائے گا۔“

## دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے شیخ نظام الدین نے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا:

”ان عبارتوں سے معلوم ہوا اور واضح ہوا کہ یہ لوگ نہ تو مشرک ہیں اور نہ ہی یہ فعل شرک ہے، ان کے روزے نماز حج، زکوٰۃ سب مثل دیگر مسلمانوں کے جائز و صحیح ہیں۔“

## شیخ عبدالعزیز باز

سعودی عرب کے ادارہ بحوث اسلامیہ و افتاء کے رئیس شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے مولانا محمد عاشق الرحمن قادری آلہ آباد کے استفتاء کے جواب میں ۱۲۰ ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ کو پہلے سے لکھا ہوا ایک جواب بھجوایا جس میں اولیاء کرام سے توسل کی چار قسمیں بیان کی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ محمد عاشق الرحمن قادری، حرف حقانیت، ص ۱۶۲

۲۔ ایضاً: ” ” ص ۱۶۸

1۔ زندہ ولی سے درخواست کی جائے کہ میرے لیے رزق کی وسعت، مرض سے شفا، ہدایت و توفیق کی دعا فرمائیں، یہ جائز ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم ﷺ کی محبت و اتباع اور محبت اولیاء کا وسیلہ پیش کیا جائے، یہ بھی جائز ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ سے انبیاء و اولیاء کے جاہ و منزلت کے وسیلہ سے دعا کرے یہ ناجائز ہے۔

4۔ بندہ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہوئے نبی یا ولی کی قسم دے یا بحق نبیہ یا بحق اولیائہ کہے تو یہ ناجائز ہے۔<sup>۱</sup>

اس فتویٰ پر ادارہٴ بحوث و افتاء کے نائب رئیس عبدالرزاق عقیلی اور بحوث و افتاء کمیٹی کے ارکان عبداللہ منیع اور عبداللہ بن عدیان کے دستخط ہیں۔

گزشتہ صفحات میں تیسری اور چوتھی قسم کا حکم، صحابہ کرام اور علماء اسلام کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے، اس جگہ صرف اس قدر کہنا ہے کہ نجوی علماء اور ندوۃ العلماء کے اراکین نے اپنے تمام تر تشدد کے باوجود ان قسموں کو صرف ناجائز کہا ہے، شرک قطعاً نہیں کہا۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مسئلہ توسل پر مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری مدظلہ کا ایک مبسوط اور مدلل عربی فتویٰ بھی ”حرف حقانیت“ میں شامل ہے جس میں بیسیوں مستند مآخذ کے حوالہ جات درج ہیں، یہ فتویٰ مکتبہ قادریہ لاہور کی طرف سے اردو ترجمہ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ مکتبہ ایشیق، استنبول، ترکیا کی طرف سے ”التوسل“ کے نام سے عربی میں چھپ چکا ہے۔

سید یوسف سید ہاشم الرفاعی، کویت

حضرت شیخ سید احمد رفاعی کبیر قدس سرہ کی اولاد اجماع میں سے کویت کے معروف

داؤدی نے ”شرح منہج“ میں نقل فرمایا۔<sup>۱</sup>

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدی زروق رحمہ اللہ تعالیٰ ”محشی بخاری“ کا تذکرہ بڑے شاندار انداز میں کیا ہے فرماتے ہیں:

”مختصر یہ کہ وہ عظیم الشان شخصیت ہیں جن کا مرتبہ بیان نہیں کیا جاسکتا، وہ محققین صوفیہ کے آخری بزرگ ہیں جنہوں نے حقیقت و شریعت کو جمع کیا، بڑے بڑے علماء مثلاً شہاب الدین قسطلانی لقانی نے ان کی شاگردی پر فخر کیا۔

قصیدہ غوثیہ کے طریقہ پر ان کا قصیدہ ہے جس کے چند شعر یہ ہیں:

☆ میں اپنے مرید کے نکھرے ہوئے حالات کو جمع کرنے والا ہوں جب زمانے کی تندی اس پر کوئی مصیبت ڈھا دے۔

☆ اگر تو تنگی، تکلیف اور وحشت میں ہے تو یا زروق پکار میں فوراً آ جاؤں گا“<sup>۲</sup>

اگر ان اشعار کو مشرک نہ قرار دیا جائے تو شاہ عبدالعزیز اور ان کی سند سے وابستہ لوگوں کا کیا حکم ہوگا؟ جو یہ اشعار دھوم دھام سے نقل کر رہے ہیں۔

صاحب درمختار کے استاذ علامہ خیر الدین رملی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”عامۃ المسلمین کا یا شیخ عبدالقادر کہنا اندا ہے اور جب اس کے ساتھ شینا للہ کا اضافہ کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و رضا کے لیے کسی شے کا مطالبہ ہے اس کے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کو کفر قرار دینے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شے کا مطالبہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے اور سب

۱ ابن عابدین شامی علامہ: رد المحتار (احیاء التراث العربی بیروت) ۳/۲۲۱

۲ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحمد شین فارسی / اردو (انجائیم سعید کمپنی کراچی) ص ۲۲۲



حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”سلطان محمود غزنوی کے پاس حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جبہ مبارک تھا، سومنات کی جنگ میں ایک موقع پر خدشہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی، سلطان محمود غزنوی، اچانک گھوڑے سے اتر کر ایک گوشے میں چلے گئے اور وہ جبہ ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گئے اور دعا مانگی: ”بااھیا! اس جبے والے کے ویلے سے ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما، جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا، درویشوں میں تقسیم کر دوں گا۔“

اچانک دشمن کی طرف سے شور اٹھا اور تاریکی چھا گئی اور کافر آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور مختلف حصوں میں بٹ گئے، لشکر اسلام کو فتح حاصل ہو گئی، اس رات محمود غزنوی نے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا: ”محمود! تم نے دربار الہی میں ہمارے جبے کی قدر نہ کی، اگر تم چاہتے تو تمام کافروں کے لیے اسلام کی درخواست کرتے۔“

فقیر جلیل حضرت علامہ ابن عابدین شامی ”کتاب اللقطة“ کے آخر میں ایک منہیہ (حاشیہ) میں فرماتے ہیں:

”حضرت زبیدی فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اسے واپس فرمادے تو بلند جگہ کھڑا ہو کر سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور نبی اکرم ﷺ پھر سیدی احمد بن علوان کی خدمت میں پیش کرے اور کہے سیدی احمد! اے ابن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں آپ کا نام دفتر اولیاء سے خارج کر دوں گا، اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے وہ چیز واپس فرمادے گا، یہ علامہ اجوری کا کلام مع اضافہ ہے جسے

حضرت علامہ نے واضح طور پر بتا دیا کہ اس عقیدے میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں، نیز جب زندہ مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، تو جو حضرات اگلے جہان میں جا چکے ہیں، ان کی قوت ادراک تو اور بھی بڑھ جائے گی۔

حضرت علامہ شیخ حسن الحدادی الحمری اوی فرماتے ہیں:

”یہ جو بعض عوام کہتے ہیں یا سیدی فلاں! اگر آپ میری یہ مراد پوری کر دیں یا میرے مریض کو شفا دیں، تو آپ کے لیے میرے ذمے اتنی چیز ہے، تو یہ مانگنے کے طریقے سے بے خبری ہے (کہنا یہ چاہیے کہ اللہ فلاں بزرگ کے طفیل میری حاجت پوری فرما) لیکن اسے کفر قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ولی میرے مقصد کو پیدا کرے گا، ان کی نیت تو یہ ہوتی ہے کہ اس ولی کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنائیں، کیونکہ جس کا وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے، وہ ان کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محبوب ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی گفتگو میں بار بار اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اے بارگاہ خدا میں پاکیزہ نفس والے! اپنے رب سے درخواست کریں کہ میرا یہ مقصد پورا فرمادے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے، ولی صرف سبب اور وسیلہ ہے اور اس کا وسیلہ پکڑنے والا مرد نہیں ہوتا، کیونکہ محبوب اور مقرب کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا۔

تو یہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے قبیلے سے ہے کہ ”کنیٰ پر اگندہ بالوں والے، گرد آلود جن کا سرمایہ حیات دو چادریں ہوں ایسے ہوتے ہیں کہ اگر قسم دے کر بارگاہ الہی میں کچھ عرض کریں، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے بعض عارفین نے فرمایا: ولی کی زندگی کی نسبت وصال کے بعد کرامت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کا تعلق مخلوق سے منقطع ہو چکا ہے اور اس کی روح کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے لہذا اللہ تعالیٰ ان کا وسیلہ پیش کرنے والوں کی حاجتیں پوری فرما دیتا ہے۔“

برداشت کرتے؟ ہرگز نہیں!

شیخ الاسلام شہاب الدین رملی کا عقیدہ ملاحظہ ہو:

”شیخ الاسلام رملی سے پوچھا گیا کہ عوام الناس جو مصیبتوں کے وقت یا شیخ فلاں وغیرہ کہتے ہیں، کیا مشائخ وصال کے بعد امداد فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اولیاء انبیاء صالحین اور علماء سے استغاثہ جائز ہے کیونکہ وہ وصال کے بعد بھی امداد فرماتے ہیں، جیسے اپنی حیات میں امداد فرماتے تھے اس لیے کہ انبیاء کے معجزے اولیاء کی کرامتیں ہیں۔“

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص کہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام مومنین جو آخرت کی طرف انتقال کر چکے ہیں اکثر و بیشتر زندوں کے احوال جانتے ہیں اس سلسلے میں ان کے واقعات انتہائی کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ انہیں اس وقت علم ہو جب زندوں کے اعمال ان پر پیش کیے جائیں اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے اور یہ چیزیں ہم سے مخفی ہیں۔“

نبی صادق ﷺ نے خبر دی ہے کہ اموات پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں لہذا اس کا وقوع ضروری ہے البتہ کیفیت معلوم نہیں ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس حقیقت کے بیان کے لیے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ ”مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے“ اور اللہ تعالیٰ کے نور کو کوئی چیز نہیں روک سکتی یہ زندہ مومنوں کے حق میں ہے ان مومنوں کا کیا عالم ہوگا جو دار آخرت میں ہیں؟

۱۔ الشیخ حسن الہدیٰ المحمودی: مشارق الانوار (المطبعة الشریعیہ، مصر) ص ۵۹

۲۔ ابن الحاج، المدخل، ۲۵۲/۱

میں طریقہ شطاریہ صرف شیخ محمد غوث گوالیاری کے ذریعے سے رائج ہے، ورنہ ان سے پہلے یہ طریقہ زیادہ شہرت نہیں رکھتا تھا:

”اس فقیر نے جو فرقہ شیخ ابوطاہر کردی سے پہنا اور انہوں نے ”جواہر خمسه“ کے اعمال کی اجازت دی۔“<sup>۱</sup>

اس کے بعد دو سندیں بیان کیں، جو شیخ ابوطاہر سے شیخ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتی ہیں، بعد ازاں فرماتے ہیں:

”یہ فقیر سفر حج میں جب لاہور پہنچا اور شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی کی تو انہوں نے مجھے دعائے سیفی کی اجازت دی، بلکہ جواہر خمسه کے تمام اعمال کی اجازت دی اور اپنی سند بیان کی، وہ اس زمانہ میں طریقہ احمدیہ اور شطاریہ کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔“<sup>۲</sup>

جواہر خمسه میں یہ عمل بھی ہے:

فتوح ابواب اقبال کے واسطے ہر روز (پانچ سو) بار پڑھے:

”نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرُ الْعَجَابِ تَجِدُهُ عَوْنًا لَكَ فِي التَّوَابِ كُلِّ هَمٍّ وَ غَمٍّ  
سَيَنْجِلِي بِنُبُوتِكَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ وَ بِلَوْلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ“<sup>۳</sup>

یہ درود کیا ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استعانت اور توسل ہے، اس میں اگر شرک کی کوئی بات ہوتی تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جواہر خمسه کے اعمال کی اجازتیں لیتے؟ حضرت شاہ صاحب اور ان کے مشائخ اس شرک کو

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: انتخاب (کتاب خانہ طلویہ رضویہ، فیصل آباد) ص ۱۵۸-۱۵۷

۲۔ ایضاً: ص ۱۵۸-۱۵۷ " " " "

۳۔ شاہ محمد غوث گوالیاری: جواہر خمسه (دارالاشاعت، کراچی) ص ۴۵۳

اور عظیم المرتبت سکالر سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

”حاصل یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں اور وصال کے بعد اسی طرح باقی انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین سے توسل صحیح اور جائز ہے جیسے کہ گزشتہ احادیث سے ثابت ہوا جو لوگ زندوں اور مردوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندوں سے توسل کی بعض قسمیں جائز ہیں، کیونکہ وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ زندہ تاثیر کر سکتے ہیں، مردے نہیں کر سکتے، حالانکہ ایجادی تاثیر اللہ تعالیٰ کے سوا مطلقاً کوئی بھی نہیں کر سکتا، رہا فائدہ دینا اور برکتیں عطا فرمانا اور انکی روحوں سے عادی استفادہ اور انکی روحوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس متوسل کے لیے فیض رحمت کا طلب کرنا تو یہ جائز اور واقع ہے اور ہر خلل سے خالی ہے، زندوں اور وصال یافتہ حضرات میں فرق نہیں ہے۔“

### حضور سید الانبیاء ﷺ سے قیامت کے دن توسل

امام علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دوسری حالت، حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد قیامت کے میدان میں آپ کی شفاعت طلب کی جائے گی، اس پر اجماع ہو چکا ہے اور احادیث حدیث و تراویح چلی ہیں۔“

### ارباب ولایت سے توسل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے علاقے

۱۔ السید یوسف السید ہاشم رفاعی: الرد الحکم المبیع (کویت ۱۹۸۳ء) ص ۷۷-۸۶

۲۔ تقی الدین سبکی، امام: شفاء السقام (فیصل آباد) ص ۱۷۳

اس کے محتاج ہیں حالانکہ یہ مطلب کسی کے تصور میں بھی آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیم کے لیے ہے جیسے ارشاد بانی ہے: ”قَبْلَ لِلّٰہِ خُمُسٌ“ (الآیہ) اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔

### صلوٰۃ غوثیہ

محبوب سبحانی، شہباز لامکانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ولی اور سرتاج اولیاء ہیں ان کے وسیلے سے دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم نہیں رہتا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”جو شخص کسی تکلیف میں میرے وسیلے سے امداد کی درخواست کرے اس کی وہ تکلیف دور کر دی جائے گی اور جو کسی مصیبت میں میرا نام پکارے اس کی مصیبت دور کر دی جائے گی اور جو کسی حاجت میں میرا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی اور جو شخص ددر کعتیں ادا کرے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے سلام کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجے پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے میرا نام لے اور اپنی حاجت بیان کرے اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی۔“

اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

۱۔ خیر الدین رملی علامہ: فتاویٰ خیریہ بر حاشیہ فتاویٰ حامد (حاجی عبدالغفار قدسہ بار) ۲۸۲/۲

۲۔ ابوالحسن علی بن یوسف النعمی الشطرنی: بیچہ الاسرار (مصطفیٰ البابائی مصر) ص ۱۰۲

أَيُّدِرْكُنِي ضَيْمٌ وَأَنْتَ ذَخِيرِي  
وَأُظْلِمُ فِي الدُّنْيَا وَأَنْتَ نَصِيرِي  
وَعَارِ عَلَى حَامِي الْجَمِي وَهُوَ مُنْجِدِي  
إِذَا ضَلُّ فِي الْبَيْدَا عَقَالُ بَعِيرِي

☆ ”کیا مجھ پر ظلم کیا جائے گا؟ جب کہ آپ میرا ذخیرہ ہیں اور کیا دنیا میں مجھ پر تم کیا جائے گا؟ جب کہ آپ میرے مددگار ہیں۔

☆ حضور غوث پاک کے پشت پناہ ہوتے ہوئے اگر جنگل میں میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو یہ بات محافظ کے لیے باعث عار ہے۔“

غور کیا جائے تو صلوٰۃ غوثیہ میں شرک کا کوئی پہلو نہیں نکلتا، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو حکم فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر میرے ویلے سے بارگاہ الہی میں دعا مانگو انہوں نے دعا مانگی تو ان کی بینائی بحال ہو گئی۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے پر ایک صاحب نے دو عثمانی میں یہی عمل کیا تو ان کا مقصد بھی پورا ہو گیا، وہی طریقہ اس جگہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سیدنا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاجت بر آتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صلوٰۃ غوثیہ کا طریقہ خود سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے جسے علامہ علی بن یوسف اللخمی الشطونی پھر علامہ محمد بن یحییٰ التازنی الحلی (م ۹۶۳ھ) پھر حضرت ملا علی قاری ۱۲ اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۳ نے روایت کیا۔

۱۔ محمد بن یحییٰ التازنی الحلی، علامہ: فلائح الجواب (مصطفیٰ البابا مصر) ص ۳۶  
۲۔ علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: نزہۃ الناطر القاتر، اردو ترجمہ (سنی دارالاشاعت، فیصل آباد) ص ۷۹  
۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: زبدۃ الاسرار (مطبع کبسلنگ کمپنی ممبئی) ص ۱۰۱

اب اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ معاذ اللہ! حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرک کی تعلیم دی ہے تو اس کی مرضی! لیکن جہاں تک روایت کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اسے جھوٹ قرار دینا بھی محض سینہ زوری ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی، حضرت علامہ فطنونی کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یہ امام ابو الحسن نور الدین علی مصنف ”بہجة الاسرار شریف“ اعظم علماء وائمہ قرأت واکابر اولیاء وسادات طریقت سے ہیں حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں امام اجل حضرت ابوصالح نصر قدس سرہ سے فیض حاصل کیا انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ سے انہوں نے اپنے والد ماجد حضور پر نور سید السادات غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ ”زبدۃ الآثار شریف“ میں فرماتے ہیں:

”یہ کتاب ”بہجة الاسرار“ کتاب عظیم و شریف و مشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالم معروف و مشہور اور ان کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور و مسطور:

امام شمس الدین ذہبی علم حدیث و اسماء الرجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار اس جناب کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب ”طبقات المقبولین“ میں ان کے مناقح لکھے امام محدث محمد بن محمد بن جزی مصنف ”حصن حصین“ اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں سے ہیں انہوں نے یہ کتاب مستطاب ”بہجة الاسرار شریف“ اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند اجازت حاصل کی۔“

۱۔ احمد بریلوی، اہل حضرت امام: انوار الانباء (مکتبہ نوریہ رضویہ گوجرانوالہ) ص ۱۵



انور شاہ کشمیری (دیوبندی) کہتے ہیں:

”اسی طرح خطون فی نے نقل کیا ہے اور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔“<sup>۱</sup>

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندوں کو وسیلہ بنانے اور ان سے استعانت کا یہ وہ عقیدہ ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک سے آج تک جمہور امت اور ائمہ اسلام کے نزدیک مقبول اور معمول چلا آیا ہے، یہی عقیدہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا ہے، انہوں نے اپنی تصنیف میں دنیائے اسلام کے مسلم اور مستند علماء کے ارشادات اور قرآن و حدیث کے حوالے سے اپنے معتقدات کو پیش کیا ہے۔

مخالفین یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ بریلویوں کے خصوصی عقائد میں سے ہے اور اسی آڑ میں وہ اپنے فتوے جاری کر دیتے ہیں، انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ شدید سے شدید زبان استعمال کرنے کے باوجود ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے

”بریلویوں کے امتیازی عقائد وہی ہیں جو دین کے نام پر بت پرستوں، عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں، ائمہ اسلام اور ملت خفیہ کے مجددین نے ان عقائد کے خلاف جہاد کیا، ان میں سے کچھ دور جاہلیت میں موجود تھے، ان کے خلاف قرآن اور حامل قرآن نے جہاد کیا۔“

وہ عقائد کیا تھے؟ غیر اللہ سے استعانت وغیرہ“ (ملخصاً)۔

اب آپ ہی انصاف کریں کہ سلف صالحین کا تسلسل حق پر ہے یا یہ مخصوص فرقہ؟

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین

۱۔ انور شاہ کشمیری: فیض الباری (مطبعہ مجازی قاہرہ) ۶۱/۱

۲۔ احسان الہی تلمیذ البریلویہ ص ۶۶

# قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات

مُصَنَّفُ  
پروفیسر فضل الہی رشک

مکتبہ جمال گم

9. مرکز الاولیٰ (سٹ بڑل) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948



# اسلام میں تصورِ شفاعت

مصنف

حضرت علامہ مولانا محمد سہرالدین

مکتبہ جمال گرام

9. مرکز الاولیٰ (سٹا ہاؤس) کدبار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948



# دعائیں اسلام کی راہِ حق صحابہ کرام کا اسلوبِ دعوت و تبلیغ

پروفیسر محمد اکرم نور  
ایم ایل ایم اے اسلامیات

# عقیدہ حیاتِ مسیح آقا فتنہ مرزائیت

مکتبہ  
کتاب المدینہ سراہہ اہلسنت  
علامہ لانا محمد مہر الدین

مکتبہ جمال کمر  
9 - مرکز الادبیات و زبان و ادبیات  
لاہور

مکتبہ جمال کمر  
8 - مرکز الادبیات و زبان و ادبیات  
لاہور 7324948



ایمان افروز

# حکایات اولیاء

علامہ مولانا محمد انور قریشی  
رحمۃ اللہ علیہ



دفعہ کے لوگوں پر ایسا منفرد اثر



مکتب جمال گم

9. مرکز الاویس (سنت بزم) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948

